

اؤ لوگوں کو یہیں نور خدا پاو گئے
لو محققین طور نشانی کا بتایا ہے

زکوة وارسلین

Digitized by Shilafat Library

دنیا کے مذاہب پر نظر

نمبر

جلد اول

بابت مارچ ۱۹۰۲ء

فہرست مضامین

۴۷ - ۷۵	اسلام
" - ۷۶	پہلے سوال کا جواب
۱۱۸ - ۹۶	تثلیث اور توحید
" -	یسوع کی خدائی دعوت کی اہمیت
۱۱۷	یا خصوصیت کے لحاظ سے
۱۱۰	یسوع اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا مقابلہ
۱۱۱	یسوع کی خدائی برکت کی معصیتوں کے لحاظ سے
۱۱۲	مسیح اور شراب کا استعمال
	واٹسری کی پیچ
	شراب کی اجازت کا انجیل اخلاقی تعلیم پر اثر

انجمن شائع اسلام قادیان نے اخبار الحکم و تفسیر القرآن کے کاغذ انوار
احمد پور میں شیخ یعقوب علی تہجد احمدی لکھتے ہیں کہ تمام جھوٹے کتب کا

دوسری مرتبہ فروری ۱۹۰۲ء - چند سالہ مع مصدقہ لکھتے ہیں کہ اس کے لیے ولایتی کاغذ پر سے معمولی کاغذ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلام

اس عنوان کے نیچے ہم اس عظیم الشان مضمون کو درج کرینگے جو حضرت میرزا غلام احمد صاحب
 ٹیس تقاریبان کی طرف سے جلسہ اعظم مذاہب پر جو بمبر ۱۸۹۶ء میں منعقد ہوا تھا پڑا گیا۔ اس کا اثر
 کے محرکوں کی طرف سے مفصل ذیل پانچ سوال اس غرض کے لئے تیار ہوئے تھے کہ مختلف مذاہب
 کے علماء اِراں کے جوابات اپنے اپنے مذاہب کے رو سے اس جلسہ میں پیش کریں۔

- (۱) انسان کی جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی حالتیں۔
- (۲) انسان کی زندگی کے بعد کی حالت یعنی عقبیٰ۔
- (۳) دنیا میں انسان کی ہستی کی اصل غرض اور اس غرض کی تکمیل کے اسباب۔
- (۴) کرم یعنی اعمال کا اثر دنیا و عاقبت میں۔
- (۵) علم یعنی گیان اور معرفت کے فرائع اور وسیلے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ و نصلی علی رسولنا الکریم

آج اس جلسہ مبارک میں جبکی غرض یہ ہے کہ ہر ایک صاحب جو بلائے گئے ہیں سوالات مشہورہ کی
 پابندی سے اپنے اپنے مذاہب کی خوبیاں بیان فرمادیں۔ میں اسلام کی خوبیاں بیان کر دینگا
 اور اس سے پہلے کہ میں اپنے مطلب کو شروع کر دوں استقدر ظاہر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ
 بیٹے سب انکا التزام کیا ہے کہ جو کچھ بیان کروں خدا تعالیٰ کی پاک کلام قرآن شریف سے بیان

کرون کیونکہ میرے نزدیک یہ بہت ضروری ہے کہ ہر ایک شخص جو کسی کتاب کا پابند ہو اور اس کتاب کو ربانی کتاب سمجھتا ہو وہ ہر ایک بات میں ہی کتاب کے حوالہ سے جواب دے اور اپنی وکالت کے اختیارات کو ایسا وسیع نہ کرے کہ گویا وہ ایک نئی کتاب بنا رہا ہے سو چونکہ آج ہر قرآن شریف کی غویوں کو ثابت کرنا ہے اور اسکے کلمات کو دکھانا ہے اسلئے مناسب ہے کہ ہم کسی بات میں اسکے اپنے بیان سے باہر نہ جائیں اور اسی کے اشارہ یا تصریح کے موافق اور آئی کی آیات کے حوالہ سے ہر ایک مقصد کو تحریر کریں تا ناظرین کو موازنہ اور مقابلہ کرنے کیلئے آسانی ہو اور چونکہ ہر ایک صاحب جو پابند کتاب میں اپنی اپنی الہامی کتاب کے بیان کے پابند ہیں گئے اور اس کتاب کے اقوال پیش کرینگے اسلئے چھٹس جگہ احادیث کے بیان کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ تمام صحیح حدیثیں قرآن شریف سے ہی لی گئی ہیں اور وہ کامل کتاب ہی جن تمام کتابوں کا خاتمہ ہے۔ غرض آج قرآن شریف کی شان ظاہر ہونی چاہیے اور ہم خدا کے دعامانگتے ہیں کہ وہ اس کام میں ہمارا مددگار ہو آمین

سوال اول کا جواب

معزز ناظرین کو خیال رہے کہ اس مضمون کے ابتدائی صفحوں میں بعض تہبیدی عبارتیں ہیں جو بطا غریب متعلق معلوم دیتی ہیں مگر اصل جملات کے سمجھنے کیلئے پہلے انکا سمجھنا نہایت ضروری ہے اس لئے صفائی بیان کیلئے قبل از شروع مطلب ان عبارتوں کو لکھا گیا کہ تا اصل مطلب سمجھنے میں وقت نہ ہو۔

اب واضح ہو کہ پہلا سوال انسان کی طبعی اور اخلاقی اور روحانی حالتوں کے بارے میں ہے سو جانا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے پاک کلام قرآن شریف نے ان تین حالتوں کی اس طرح تقسیم کی ہے کہ ان تینوں کے لئے علیحدہ علیحدہ تین مبدء ہمارے ہیں یا یوں کہو کہ تین سرچشمے قرار دیئے ہیں جن میں سے جدا جدا یہ حالتیں نکلتی ہیں۔

پہلا سرچشمہ جو تمام طبعی حالتوں کا مورد اور مصدر ہے اسکا نام قرآن شریف نے نفس امارہ

رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِنَّ النَّفْسَ لَا تَمَازُ بِالسُّوءِ یعنی نفس تارہ میں یہ خاصیت
 ہے کہ وہ انسان کو بدی کی طرف جو اسکے کمال کے مخالف اور اسکی اخلاقی حالتوں کے برعکس ہے
 جہمکاتا ہے اور ناپسندیدہ اور بد راہوں پر چلانا چاہتا ہے غرض بے اعتدالیوں اور بدیوں
 کی طرف جانا انسان کی ایک حالت ہے جو اخلاقی حالت سے پہلے اسے طبعاً غالب ہوتی ہے
 اور یہ حالت اسوقت تک طبعی حالت کہلاتی ہے جب تک کہ انسان عقل اور معرفت کے
 زیر سایہ نہیں چلنا بلکہ چار پاٹوں کی طرح کہانے میں سوئے جاگئے یا غصہ اور جوش دکھلائے
 وغیرہ امور میں طبعی جذبات کا پیرو رہتا ہے اور جب انسان عقل اور معرفت کے مشورہ سے
 طبعی حالتوں میں تصرف کرتا اور اعتدال مطلوب کی رعایت رکھتا ہے اس وقت ان تینوں
 حالتوں کا نام طبعی حالتیں نہیں رہتا بلکہ اس وقت یہ حالتیں اخلاقی حالتیں کہلاتی ہیں جیسا
 آگے ہی کچھ ذکر کیا جائیگا۔

اور اخلاقی حالتوں کے حشرہ کا نام قرآن شریف میں نفس لوامہ ہے جیسا کہ قرآن
 شریف فرماتا ہے وَلَا أَقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ یعنی میں اس نفس کی قسم کہتا ہوں جو بدی
 کے کام اور ہر ایک کے اعتدالی پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے نفس لوامہ انسانی حالتوں کا دوسرا حشرہ
 ہے جس سے اخلاقی حالتیں پیدا ہوتی ہیں اور اس مرتبہ پر انسان دوسرے حیوانات کی مشابہت
 نہایت پاتا ہے اور اس جگہ نفس لوامہ کی قسم کہنا اس کو عزت دینے کے لئے ہے گویا وہ نفس تارہ
 سے نفس لوامہ تک بوجہ اس ترقی کے جناب الہی میں عزت پانے کے لائق ہو گیا اور اسکا نام لوامہ
 اسلئے رکھا کہ وہ انسان کو بدی پر ملامت کرتا ہے اور اس بات پر رنجی نہیں ہوتا کہ انسان اپنے
 طبعی لوازم میں شتر بے مہار کی طرح چلے اور چار پاٹوں کی سی زندگی بسر کرے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس
 اچھی حالتیں اور اچھے اخلاق حاصل ہوں اور انسانی زندگی کے تمام لوازم میں کوئی بے اعتدالی
 ظہور میں نہ آوے اور طبعی جذبات اور طبعی خواہشیں عقل کے مشورہ سے ظہور پذیر ہوں پس
 چونکہ وہ ہری حرکت پر ملامت کرتا ہے اسلئے اسکا نام نفس لوامہ ہے یعنی بہت ملامت کرنے
 والا۔ اور نفس لوامہ اگر طبعی جذبات پسند نہیں کرتا بلکہ اپنے تئیں ملامت کرتا رہتا ہے لیکن نیکیوں

کے سچا لانے پر پورے طور سے قادر ہی نہیں ہو سکتا اور کہی نہ کہی طبعی جذبات اس پر غلبہ کر جاتا ہیں تب گرجا تا ہے اور بڑھ کر کھاتا ہے گویا وہ ایک کمزور بچہ کی طرح ہوتا ہے جو گرجا نہیں چاہتا ہے مگر کمزوری کی وجہ سے گرتا ہے۔ پہرانی کمزوری پر نادم ہوتا ہے۔ غرض نفس کی وہ اخلاقی حالت جو جب نفس اخلاق فاضلہ کو اپنے اندر جمع کرتا ہے اور رکشی سے بیزار ہوتا ہے مگر پورے طور پر غالب نہیں آ سکتا۔

پہر ایک تیسرا حشر ہے جسکو روحانی حالتوں کا مبداء کہنا چاہیے اس سر شمش کا نام قرآن شریف نے نفس مطمئنہ رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ **يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّاتٍ** یعنی نفس آرام یافتہ جو خدا کے آرام پا گیا اپنے خدا کی طرف واپس چلا آ۔ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی پس میرے بندوں میں مل جا اور میرے بہشت کے اندر آ جا۔ یہ وہ مرتبہ ہے جس میں نفس تمام کمزوریوں سے نجات پا کر روحانی قوتوں سے بہرہ جاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے ایسا پیوند کرتا ہے کہ بغیر اسکے جی ہی نہیں سکتا اور جس طرح پانی اوپر سے نیچے کی طرف بہتا اور سبب اپنی کثرت کے اور نیزہ رکون کے دور ہو نیسے بڑے زور سے چلتا ہے اسی طرح وہ خدا کی طرف بہتا چلا جاتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے وہ نفس جو خدا سے آرام پا گیا اسی کی طرف واپس چلا آ۔ پس وہ اسی زندگی میں نہ موت کے بعد ایک عظیم الشان تبدیلی پیدا کرتا ہے اور اسی دنیا میں نہ دوسری جگہ ایک بہشت اسکو ملتا ہے اور جیسا کہ اس آیت میں لکھا ہے کہ اپنے رب کی طرف یعنی پرورش کرنے والے کی طرف واپس آ ایسا ہی اس وقت یہ خدا سے پرورش پاتا ہے اور خدا کی محبت اسکی غذا ہوتی ہے اور اسی زندگی بخش چشمہ سے پانی پیتا ہے اسلئے موت سے نجات پاتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے **قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا** یعنی جس نے ارضی جذبات سے اپنے نفس کو پاک کیا وہ فتح گیا اور ہلک نہیں ہوگا مگر جس نے ارضی جذبات میں جو طبعی جذبات ہیں پیوستہ ہیں چھپا دیا وہ زندگی سے ناامید ہو گیا۔

غرض یہ تین حالتیں ہیں جسکو دوسرے لفظوں میں طبعی اور اخلاقی اور روحانی حالتیں کہہ سکتے

ہیں اور چونکہ طبعی تقاضے افراط کے وقت بہت خطرناک ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات خلات
 اور روحانیت کا ستیاناس کر دیتے ہیں اسلئے خدا تعالیٰ کی پاک کتاب میں ان کو نفسِ مارہ کی
 حالتوں سے موسوم کیا گیا۔ اگر یہ سوال ہو کہ انسان کی طبعی حالتوں پر قرآن شریف کا کیا اثر ہے
 اور وہ انکی نسبت کیا رہا کرتا ہے اور علی طور پر کس حد تک ان کو رکھنا چاہتا ہے تو واضح ہو کہ
 قرآن شریف کے روحِ انسان کی طبعی حالتوں کو اسکی اخلاقی اور روحانی حالتوں سے نہایت
 ہی شدید تعلقات واقع ہیں یہاں تک کہ انسان کے کھانے پینے کے طریقے ہی انسان کے
 اخلاقی اور روحانی حالتوں پر اثر کرتے ہیں اور اگر ان طبعی حالتوں سے شریعت کی ہدایت کے
 موافق کام لیا جائے تو جیسا کہ نیک کی کان میں پڑ کر ہر ایک چیز نیک ہی ہو جاتی ہے ایسا ہی
 یہ تمام حالتیں اخلاقی ہی ہو جاتی ہیں اور روحانیت پر نہایت گہرا اثر کرتی ہیں اسی واسطے
 قرآن شریف نے تمام عبادات اور اندرونی پاکیزگی کے اعراض اور مشغولیت کے مقاصد پر
 جسمانی طہارتوں اور جسمانی ادب اور جسمانی تعدیل کو بہت ملحوظ رکھا ہے اور خود کر نیچے وقت
 یہی فلسفی نہایت صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جسمانی اور صنعت کا روح پر بہت ہی اثر ہے جیسا کہ ہم دیکھتے
 ہیں کہ ہمارے طبعی افعال گویا جسمانی ہیں مگر ہماری روحانی حالتوں پر ضرور ان کا اثر ہے
 مثلاً جب ہماری آنکھیں روزنا شروع کریں اور گھٹک سے ہی رو روین مگر فی الفور ان آنکھوں کا ایک
 شعلہ نکل کر دل پر جا پڑتا ہے تب دل ہی آنکھوں کی پیروی کر کے غلین ہو جاتا ہے ایسا ہی جب ہم
 تکلف سے روزنا شروع کریں تو دل میں ہی ایک انبساط پیدا ہو جاتا ہے یہ ہی دیکھا جاتا ہے کہ جسمانی
 سجدہ ہی روح میں خشوع اور عاجزی کی حالت پیدا کرتا ہے اسکے مقابل پر ہم یہ ہی دیکھتے
 ہیں کہ جب ہم گردن کو اونچی کھینچ کر اور چہاتی کو ابھار کر چلین تو یہ وضع رفتار ہم میں ایک قسم کا تکبر اور
 خود بینی پیدا کرتی ہے تو ان نمونوں سے پورے انکشاف کے ساتھ کھل جاتا ہے کہ بیشک جسمانی
 اور صنعت کا روحانی حالتوں پر اثر ہے۔

ایسا ہی تجربہ ہم پر ظاہر کرتا ہے کہ طرح طرح کی غذاؤں کا بھی دماغی اور دلی قوتوں پر ضرور
 اثر ہے۔ مثلاً ذرہ غور سے دیکھنا چاہئے کہ جو لوگ کبھی گوشت نہیں کھاتے رفتہ رفتہ انکی شہادت کی

قوت کم ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ نہایت دل کے کمزور ہو جاتے ہیں اور ایک خدا داد اقبال
 تعریف قوت کو کہو بیٹھتے ہیں اس کی شہادت خدا کے قانون قدرت سے اس طرح پر بھی ملتی ہے کہ
 چار پاؤں میں سے جس قدر گھاس غور جانور میں کوئی بھی ان میں سے وہ شجاعت نہیں رکھتا
 جو ایک گوشت خوار جانور رکھتا ہے۔ پرندوں میں یہی بات مشاہدہ ہوتی ہے پس اس میں کیا
 شک ہے کہ اخلاق پر غذاؤں کا اثر ہے۔ مان جو لوگ دن رات گوشت خوری پر زور دیتے
 ہیں اور نباتی غذاؤں سے بہت ہی کم حصہ رکھتے ہیں وہ جی جسم اور انکسار کے خلق میں کم ہو
 جاتے ہیں اور میاں دروش کو اختیار کر نیوالے دونوں خلق کے وارث ہوتے ہیں اسی حکمت کے
 لحاظ سے خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے **كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا** یعنی گوشت بھی کھاؤ
 اور دوسری چیزیں بھی کھاؤ۔ مگر کسی چیز کی حد سے زیادہ کثرت نہ کرو تا اسکا اخلاقی حالت پر بد اثر
 نہ پڑے اور تباہ کثرت مضرت بھی نہ ہو اور جیسا کہ جہانی افعال اور اعمال کا روح پر اثر پڑتا ہے ایسا
 ہی کبھی روح کا اثر بھی جسم پر پڑتا ہے جس شخص کو کوئی غم پہنچے آخر وہ چشم چراب ہو جاتا ہے اور
 جسکو خوشی ہو آخر وہ تبسم کرتا ہے جس قدر ہمارا کھانا پینا سونا چاگنا حرکت کرنا۔ آرام کرنا غسل کرنا وغیرہ
 افعال طبعیہ ہیں۔ یہ تمام افعال ضروری ہماری روحانی حالات پر اثر کرتے ہیں ہماری جہانی بناوٹ کا
 ہماری انسانیت سے بڑا تعلق ہے۔ دماغ کے ایک مقام پر چوٹ لگنے سے یکلخت حافظہ بامداد ہوتا ہے
 اور دوسرے مقام پر چوٹ لگنے سے ہوش و حواس رخصت ہوتے ہیں۔ دماغ کی ایک دھڑلی مولا
 کہ قدر جلدی سے جسم میں اثر کر کے پیر دل میں اثر کرتی ہے اور دیکھتے دیکھتے وہ اندرونی سلسلہ
 جسکے ساتھ تمام نظام اخلاق کا رہے درہم برہم ہونے لگتا ہے یہاں تک کہ انسان دیوانہ ہو کر چند منٹ
 میں گزر جاتا ہے۔ غرض جہانی صدقات ہی عجیب نظارہ دکھاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ روح
 احجم کا ایک ایسا تعلق ہے کہ اس اذکو کو ہونا انسان کا کام نہیں۔ اس سے زیادہ اس تعلق کے ثبوت
 پر یہ دلیل ہے کہ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کی مان جسم ہی ہے حاملہ عورتوں کے پیٹ میں کبھی اوپر
 سے نہیں گرتی بلکہ وہ ایک نور ہے جو نقطہ میں ہی پوشیدہ طور پر چھپی ہوئی ہے اور جسم کے نشوونما کے ساتھ
 یکجہا جاتا ہے خدا تعالیٰ کا پاک کلام ہمیں سمجھاتا ہے کہ روح اس قالب میں سے ہی ظہور پذیر ہو جاتی ہے۔

جو لطف سے رحم میں تیار ہوتا ہے جیسا کہ وہ قرآن شریف میں فرماتا ہے **لَقَدْ آتَيْنَاكَ خُلُقًا خَيْرًا**
فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ یعنی پہلے ہی جسم کو جو رحم میں تیار ہوا تھا ایک اور پیدائش کے
 رنگ میں لاتے ہیں اور ایک اور خلقت اور اسکی ظاہر کرتے ہیں جو روح کے نام سے موسوم ہے اور خدا
 بہت برکتوں والا ہے اور ایسا خالق ہے کہ کوئی اس کے برابر نہیں۔

اس کا ترجمہ روح

اور یہ جو فرمایا کہ ہم ہی جسم میں سے ایک اور پیدائش ظاہر کرتے ہیں یہ ایک گہرا راز ہے جو
 روح کی حقیقت دکھلا رہا ہے اور ان نہایت محکم تعلقات کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو روح اور جسم کے
 درمیان واقع ہیں۔ اور یہ اشارہ ہمیں اس بات کی بھی تعلیم دیتا ہے کہ انسان کے جسمانی اعمال اور احوال
 تمام فنی حال جب خدا تعالیٰ کیلئے اور اسکی راہ میں ظاہر ہوئے شروع ہوں تو ان سے ہی الٹی
 فلاسفہ متعلق ہے یعنی ان مخلصانہ اعمال میں ہی ابتدا ہی سے ایک روح مخفی ہوتی ہے جیسا کہ لفظ
 میں مخفی تھی۔ اور جیسے جیسے ان اعمال کا قالب تیار ہوتا جاتا ہے وہ روح چمکتی جاتی ہے اور جب وہ
 قالب پر راتیار ہو چکنا ہے تو یک دفعہ وہ روح اپنی کامل تجلی کے ساتھ چمک اٹھتی ہے اور اپنی روحی
 سے اپنے وجود کو دکھا دیتی ہے اور زندگی کی صریح حرکت شروع ہو جاتی ہے جس کی کمال کا پورا قالب
 ہو جاتا ہے۔ مثلاً جلی کی طرح ایک چیز اندر سے اپنی کھلی کھلی چمک دکھانا شروع کر دیتی ہے یہ وہی زمانہ
 ہوتا ہے جسکی نسبت اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں مثالی طور سے فرماتا ہے **فَإِذَا سُوِّيَتْهُ وَلَفِخَتْ فِيهِ**
مِنْ مَرْجِي فَفَعَّوْا لَهُ سَائِحِدِينَ یعنی جب میوہ اسکا قالب بنالیا اور تجلیات کے تمام مظاہر
 درست کر لئے اور اپنی روح اس میں پھونک دی تو تم سب لوگ اس کے لئے زمین پر سجدہ کرتے ہوئے
 گرجاؤ۔ سو اس اہمیت میں یہی اشارہ ہے کہ جب اعمال کا پورا قالب تیار ہو جاتا ہے تو اس قالب میں
 وہ روح چمک اٹھتی ہے جسکو خدا تعالیٰ اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے کیونکہ دنیوی زندگی کی فنا
 کے بعد وہ قالب تیار ہوتا ہے اسلئے الہی وحشی جو پہلے وہی تھی ایک دفعہ بہرگ اٹھتی ہے اور
 واجب ہوتا ہے کہ خدا کی ایسی شان کو دیکھ کر ہر ایک سجدہ کرے اور اسکی طرف کھینچا جائے سو ہر ایک
 اس کو دیکھ کر سجدہ کرتا ہے اور طبعاً اس طرف اٹتا ہے جہاں بلیں کے جوتاہ کی سے دوستی
 کرتا ہے۔

پہرین پہلی بات کی طرف رجوع کر سکیے بیان کرتا ہوں کہ یہ بات نہایت درست اور صحیح ہے کہ روح ایک لطیف نور ہے جو اس جسم کے اندر ہی سے پیدا ہو جاتا ہے جو جسم میں پرورش پاتا ہو پیدا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اول مخفی اور غیر محسوس ہوتا ہے پھر نمایان ہو جاتا ہے اور ابتداً اس کا خمیر لطف میں موجود ہوتا ہے بیشک وہ آسمانی خدا کے ارادے سے اور اس کے اذن اور اس کی شلیت سے ایک جہول لکھنے علاقہ کے ساتھ لطف سے تعلق رکھتا ہے اور لطف کا وہ ایک روشن اور نورانی جوہر ہے نہیں کہہ سکتے کہ وہ لطف کی ایسی جز ہے جیسا کہ جسم جسم کی جوہر ہے مگر یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ باہر سے آتا ہے یا زمین پر گر کر لطف کے مادہ سے آمیزش پاتا ہے بلکہ وہ ایسا لطف میں مخفی ہوتا ہے جیسا کہ آگ پتھر کے اندر ہوتی ہے خدا کی کتاب کا یہ منشاء نہیں ہے کہ روح الگ طور پر آسمان سے نازل ہوتی ہے یا فضا سے زمین پر گرتی ہے اور پھر کسی اتفاق سے لطف کے ساتھ مل کر جسم کے اندر چلی جاتی ہے بلکہ یہ خیال کی سطح صحیح نہیں ٹھہر سکتا اگر ہم ایسا خیال کریں تو قانون قدرت ہمیں باطل پر پھرائے ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ گندے اور بے گناہ ہاؤن میں اور گندے زخموں میں ہزار ہا کیڑے پڑ جاتے ہیں میلے کپڑوں میں صد ہا جوئی پڑ جاتی ہیں انسان کے پیٹ کے اندر بھی کدو دانے وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اب کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ باہر سے آتے ہیں یا آسمان سے آتے کسی کو کوہاٹی دیتے ہیں۔ سو صحیح بات یہ ہے کہ روح جسم میں سے ہی نکلتی ہے اور اسی دلیل سے اس کا مخلوق ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔

اب اس وقت ہمارا مطلب بس بیان سے یہ ہے کہ جس وقت روح کو قدرت کا علم کے ساتھ جسم میں سے ہی نکلا ہے اس کا یہی ارادہ معلوم ہوتا ہے کہ روح کی دوسری پیدائش کو بھی جسم کے ذریعہ سے ہی ظہور میں لاوے۔ روح کی حرکتیں ہمارے جسم کی حرکتوں پر موقوف ہیں جس طرف ہم جسم کو کہتے ہیں روح بھی بالضرور پیچھے پیچھے چلی آتی ہے اس لئے انسان کی طبعی حالتوں کی طرف متوجہ ہونا خدا تعالیٰ کی سچی کتاب کا کام ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے انسان کی طبعی حالتوں کی اصلاح کیلئے بہت توجہ فرمائی ہے اور انسان کا ہنسنا۔ رونا۔ کہانا۔ پینا۔ سونا۔ بونا۔ چپ ہونا۔ بیوی کرنا۔ مجبور ہونا۔ چلنا۔ ٹھہرنا اور ظاہری پاکیزگی غسل وغیرہ کی

شرائط بجالانا اور بیماری کی حالت اور صحت کی حالتیں خاص خاص امور کا پابند ہونا ان سب باتوں پر مددگاہیں لکھی ہیں اور انسان کی جسمانی حالتوں کو روحانی حالتوں پر بہت ہی مؤثر قرار دیا ہے۔ اگر ان حالتوں کو تفصیل سے لکھا جائے تو میں خیال نہیں کر سکتا کہ اس مضمون کے سنا نے کیلئے کوئی وقت کافی مل سکے۔

میں جب خدا کے پاک کلام پر غور کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کیونکر اس نے اپنی تعلیموں
میں انسان کو اسکی طبعی حالتوں کی اصلاح کے قواعد عطا فرما کر بہر آہستہ آہستہ اور ہر یکہ طرف کھینچا ہے
اور اعلیٰ درجہ کی روحانی حالت پہنچانا چاہا ہے تو مجھے یہ پر معرفت قاعدہ یوں معلوم ہوتا ہے
کہ اول خدا نے یہ چاہا ہے کہ انسان کو نشست برخاست اور کھانے پینے اور بات چیت اور
تمام اقسام معاشرت کے طریق سکھا کر اسکو حشیانہ طریقوں سے نجات دیوے اور حیوانات کی
مشابہت سے تمیز کلی بخش کر ایک اونٹن و درجہ کی اخلاقی حالت جس کو ادب اور شائستگی کے نام سے
موسوم کر سکتے ہیں سکھلا دے پھر انسان کی نیچرل عادات کو حشیکو دوسرے لفظوں میں اخلاق
رذیلیہ کہہ سکتے ہیں اعتدال پر لاوے تا وہ اعتدال پا کر اخلاق فاضلہ کے رنگ میں آجائیں مگر
یہ دونوں طریقے دراصل ایک ہی ہیں کیونکہ طبعی حالتوں کی اصلاح کے متعلق ہیں صرف اصطلاح
اور ادنیٰ درجہ کے فرق نے ان کو دو قسم بنا دیا ہے اور اس حکیم مطلق نے اخلاق کے نظام
کو ایسے طور سے پیش کیا ہے کہ جس سے انسان ادنیٰ خلق سے اعلیٰ خلق تک ترقی کر سکے +
اور پھر تیسرا مرحلہ ترقیات کا یہ رکھا ہے کہ انسان اپنے خالق حقیقی کی محبت اور رضا

میں محو ہو جائے اور سب وجود اس کا خدا کیلئے ہو جائے یہ وہ مرتبہ ہے جس کو یاد دلانیکے لئے
مسلمانوں کے دین کا نام اسلام رکھا گیا ہے کیونکہ اسلام اس بات کو کہتے ہیں کہ بھلی خدا کیلئے ہو جانا
اور اپنا کچھ باقی نہ رکھنا جیسا کہ اسد جل جلالہ فرماتا ہے۔ بَلَىٰ أَمِنْ أَصْلَمَ وَجْهًا لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَكَاتُوفٌ عَلَيْهِمْ وَكَانُمْ يُحْرَتُونَ ۚ قُلْ أَصْلَحُوا
وَتُسَلِّمُوا عِثَّاي وَتَعَالَىٰ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ
الْمُسْلِمِينَ ۚ وَإِنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوا وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ

اسان کی تہذیبی مہرتی

۱۰۰

عنسبیلہ: قل اکتبتم شیئاً فی اللہ کا شیئ یعنی شیئ کہ اللہ و یغفر لکم ذنوبکم
واللہ عفو رحیم ہے یعنی نجات یافتہ وہ شخص ہے جو اپنے وجود کو خدا کے لئے
اور خدا کی راہ میں قربانی کی طرح رکھ دے اور نہ صرف نیت ہو بلکہ نیک کاموں سے اپنے صدق
کو دکھلا دے جو شخص ایسا کرے اس کا بدلہ خدا کے نزدیک مقرر ہو چکا اور ایسے لوگوں پر یہ کچھ خوف
ہے اور نہ رہنمائی ہو سکتی ہے۔ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا اس خدا
کے لئے ہے تب تکی ربوبیت تمام چیزوں پر محیط ہے کوئی چیز اور کوئی شخص اس کا شریک نہیں۔
اور مخلوق کو کسی قسم کی شرکت اس کا تہ نہیں ہے یہی حکم ہے کہ میں ایسا کروں اور اسلام کے مفہوم
پر قائم ہونے والا یعنی خدا کی راہ میں اپنے وجود کی قربانی دینے والا سب سے اول میں ہوں
یہ میری راہ ہے سواؤ میری راہ اختیار کرو اور اس کے مخالف کوئی راہ اختیار نہ کرو کہ خدا سے دور
جا پڑو گے ان کو کہہ دے کہ اگر خدا سے پیار کرتے ہو تو اور میرے پیچھے ہو لو اور میری راہ پر چلو تا خدا ہی
تم سے پیار کرے اور تمہارے گناہ بخشے اور وہ تو بخشنده اور رحیم ہے۔

اب ہم انسان کے ان تین مرحلوں کا جدا جدا بیان کریں گے لیکن اول یہ یاد دلانا ضروری
ہے کہ طبعی حالتیں جن کا جسم اور میدان نفس بنا رہے خدا تعالیٰ کے پاک کلام کے اشارات کے
موفق اخلاقی حالتوں سے کوئی الگ چیز نہیں ہے کیونکہ خدا کے پاک کلام نے تمام نچر تخلیق
اور جسمانی خواہشوں اور تقاضوں کو طبعی حالات کی مدین رکھا ہے اور وہی طبعی حالتیں ہیں
جو بالا راہ ترتیب اور تعدیل اور موقع بینی اور محل پر استعمال کر سیکے بعد اخلاق کا رنگ پکڑ دیتی ہیں
ایسا ہی اخلاقی حالتیں روحانی حالتوں سے کوئی الگ باتیں نہیں ہیں بلکہ وہی اخلاقی حالتیں
ہیں جو پورے فانی انداز اور تزکیہ نفس اور پورے انقطاع الی اللہ اور پوری محبت اور پوری
محبت اور پوری یکینت اور اطمینان اور پوری موافقت باللہ سے روحانیت کا رنگ پکڑ لیتی
ہیں طبعی حالتیں جب تک اخلاقی رنگ میں نہ آئیں کی طرح انسان کو قابل تعریف نہیں بناتیں
کیونکہ وہ دوسرے حیوانات کی جادات میں بھی پائی جاتی ہیں ایسا ہی مجرد اخلاق کا حاصل کرنا
ہی انسان کو روحانی زندگی نہیں بخشتا بلکہ ایک شخص خدا تعالیٰ کے وجود سے ہی شکر رہ کر

طبعی حالتیں اور اخلاقی حالتیں

اخلاق و کہلا سکتا ہے دل کا غریب ہونا یا دل کا حلیم ہونا یا صلح کا ہونا یا ترک شکر کرنا اور ٹھہر کر کے
 مقابلہ پر نہ آنا یہ تمام طبعی حالتیں ہیں اور ایسی باتیں ہیں جو ایک نا اہل کو بھی حاصل ہو سکتی ہیں جو
 اصل میں شہادت و شہیدانہ صفت ہے اور بہت سی چار پائے غریب ہی ہوتے ہیں
 اور ملنے اور خرید پر ہونے سے صلح کاری بھی وہلا سکتے ہیں سو سٹے پر سوٹا مارنے سے کوئی تعاقب
 نہیں کرتے مگر یہی ان کو اس انہیں کہہ سکتے ہیں چاہیکہ ان خصلتوں سے وہ اعلیٰ درجہ کے
 انسان بن سکیں۔ ایسا ہی بد سے بد عقیدہ والا بلکہ بعض بد کاریوں کا مرکب ان قانون کا پابند
 ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ انسان رحم میں اس حد تک پہنچ جائے کہ اگر اسکے اپنے ہی زخم میں کیر
 پڑیں انکو بھی قتل کرنا روانہ رکھے اور جانداروں کی پاسداری اس قدر کرے کہ جو میں جو میں پڑتی
 ہیں یا وہ کیر سے جو پٹ اور انٹروڈین اور دماغ میں پیدا ہوتے ہیں ان کو بھی آزار دینا نہ چاہے
 بلکہ میں قبول کر سکتا ہوں کہ کسی کا رحم اس حد تک پہنچے کہ وہ شہید کہاں ترک کر دے کیونکہ وہ بہت سی
 جانوں کے تلف ہونے اور غریب کھو جانے کو اس کے ہتھان سے پرانگندہ کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے
 اور میں مانتا ہوں کہ کوئی مشک سے بھی پرہیز کرے کیونکہ وہ غریب ہرن کا خون ہے اور اس غریب
 کو قتل کرنے اور بچون سے جدا کرنے کے بعد میں اس کا ہے ایسا ہی مجھے اس سے بھی انکار نہیں کہ
 کوئی موتیوں کے ہتھال کو بھی چھوڑ دے اور ابریشم کو پہنا بھی ترک کرے کیونکہ یہ دونوں غریب
 کیرٹوں کے ہلاک کرنے سے ملتے ہیں بلکہ میں یہاں تک مانتا ہوں کہ کوئی شخص دیکھ کہ کیوت جو کون
 کے لگانے سے بھی پرہیز کرے اور آپ دکھا تھا لے اور غریب جو ک کی موت کا خواہاں نہ ہو۔ بالآخر
 اگر کوئی مانے یا نہ مانے مگر میں مانتا ہوں کہ کوئی شخص اس قدر رحم کو کمال کے نقطہ تک پہنچا دے
 کہ پانی پینا چھوڑ دے اور اس طرح پانی کے کیرٹوں کے بچانیکے لئے اپنی تین ہلاک کرے۔ میں
 پسب کچھ قبول کرتا ہوں لیکن میں ہرگز قبول نہیں کر سکتا کہ یہ تمام طبعی حالتیں اخلاق کہلاتی ہیں
 یا صرف انہی سے وہ اندرونی گندہ ہوئے جاسکتے ہیں جن کا وجود خدا کے ملنے کی روک ہر میں
 کبھی باور نہیں کروں گا کہ اس طرح کا غریب اور بے آثار بننا جس میں بعض چار پاؤں اور پرندوں کا
 نمبر بڑھا ہے اعلیٰ انسانیت کے حصول کا موجب ہو سکتا ہے بلکہ میرے نزدیک یہ قانون قدر

سے لڑائی ہے اور رضا کے ہماری خلق کے بر خلاف اور اس نعمت کو رو کرنا ہے جو قدرت نے ہمو
عطا کی ہے بلکہ وہ روحانیت ہر ایک خلق کو محل اور موقعہ پر استعمال کر نیکی بعد اور پھر خدا کی راہوں
میں وفاداری کے ساتھ قدم مارنے سے اور اسی کا ہو جانے سے ملتی ہے جو اسکا ہو جائے سکی
یعنی نشانی ہے کہ وہ اس کے بغیر جی ہی نہیں سکتا۔ عارف ایک مچھلی ہے جو خدا کے ہاتھ سے نجات
کی گئی اور اسکا پانی خدا کی محبت ہے۔

اب میں پہلے کلام کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ میں ابھی ذکر کر چکا ہوں کہ انسانی حالتوں کے سرچشمے
تین ہیں یعنی نفس آمارہ۔ نفس لوٹامہ۔ نفس مطمئنہ۔ اور طریق اصلاح کے بھی تین ہیں۔ اول یہ کہ
بے تمیز حیثیوں کو اس آؤ نے خلق پر قائم کیا جائے کہ وہ کہاں سے پتہ اور شادی وغیرہ تمدنی
امور میں انسانیت کے طریقے پر عمل دیتے ہیں اور نہ کنون کی طرح مردار خوار ہوں اور نہ کوئی اور
بے تمیزی ظاہر کریں یہ طبعی حالتوں کی اصلاح میں سے اولی درجہ کی اصلاح ہے یہ اس قسم کی
اصلاح ہے کہ اگر مثلاً پورٹ بلیر کے جنگلی آدمیوں میں سے کسی آدمی کو انسانیت کے لازم سکھانا ہو
تو پہلے اولیٰ اولیٰ اخلاق انسانیت . . . اور طریق ادب کی ان کو تعلیم دی جائے گی۔ دوسرا
طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جب کوئی ظاہری آداب انسانیت کے حامل کر لے تو اسکو بڑی بڑے
اخلاق انسانیت کے سکھلائے جائیں اور انسانی قواس میں جو کچھ ہر اہل ہے ان سب کو محل اور موقعہ
پر استعمال کرنیکی تعلیم دی جائے نیز طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جو لوگ اخلاق فاضلہ سے متصف ہو کر
ہیں ایسے خشک ہوں کو شربت محبت اور وصل کا مزہ چکھایا جائے یہ تین اصلاحیں ہیں جو قرآن
شریف نے بیان کر رکھی ہیں۔

اور ہمارے سید موسیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں مبعوث ہوئے جبکہ دنیا ہر ایک
پہلو سے خراب اور تباہ ہو چکی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ظہر الفساد فی البر والبحر
یعنی جنگل ہی بگڑ گئے اور دریا ہی بگڑ گئے یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جو اہل کتاب کہلاتے
ہیں وہ ہی بگڑ گئے اور جو دوسرے لوگ ہیں جنکو اہل ام کا پانی نہیں ملا وہ ہی بگڑ گئے ہیں۔ پس قرآن
شریف کا کام دراصل مردوں کو زندہ کرنا تھا جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

اصلاح کے تین طریق

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلاح کی صورت تین مبعوث ہوئے

یعنی یہ بات جان لو کہ اب اللہ تعالیٰ سنئے سرے سے زمین کو بعد اس کے مرنے کے زندہ کرنے لگا ہے اس
 زمانہ میں عرب کا حال نہایت درجہ کی وحشیانہ حالت تک پہنچا ہوا تھا اور کوئی نظام انہیست
 کا باقی نہیں رہا تھا اور تمام معاصی ان کی نظر میں فخر کی جگہ تھے ایک ایک شخص صد
 بیویاں کر لیتا تھا۔ حرام کا کہنا ان کے نزدیک ایک شکار تھا ماؤں کے ساتھ نکاح کرنا
 حلال سمجھتے تھے اسی واسطے اللہ تعالیٰ کو کہنا پڑا **اَحَرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اَمْهَاتِکُمْ** یعنی آج میں
 تمہاری تمپہ حرام ہو گئیں۔ ایسا ہی وہ مردار کھاتے تھے۔ آدم خور بھی تھے دنیا کا کوئی بھی گناہ
 نہیں جو نہیں کرتے تھے۔ اکثر معاویہ کے منکر تھے۔ بہت سوان میں سے خدا کے وجود کے ہی
 قائل نہ تھے۔ لڑکیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرتے تھے یتیموں کو ہلاک کر کے ان کا مال کھاتے
 تھے بظاہر تو انسان تھے مگر عقلیں سلوب تھیں نہ جیاہتی نہ شرم تھی نہ غیرت تھی۔ شراب کو پانی کی
 طرح پیتے تھے۔ جسکا زنا کاری میں اول نمبر ہوتا تھا وہی قوم کا رئیس کہلاتا تھا یہ علمی اس قدر تھی
 کہ ارد گرد کی تمام قوموں نے انکا نام امی رکھ دیا تھا۔ ایسے وقت میں اور ایسی قوموں کی
 اصلاح کے لئے ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہر مکہ میں ظہور فرما ہوئے۔ پس وہ تین
 قسم کی اصلاحیں جنکا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں انکا حقیقت یہی زمانہ تھا۔ پس اسوجہ سے قرآن شریف
 دنیا کی تمام ہدایتوں کی نسبت اکل اور اتم ہو گیا دعویٰ کرتا ہے کیونکہ دنیا کی اور کتابوں کو
 ان تین قسم کی اصلاحوں کا موقع نہیں ملا اور قرآن شریف کو ملا اور قرآن شریف کا یہ مقصد
 تھا کہ حیوانوں سے انسان بناوے اور انسان سے بااخلاق انسان بناوے اور بااخلاق انسان
 سے باخدا انسان بناوے اسی واسطے ان تین امور پر قرآن شریف مشتمل ہے +

اور قبل اسکے کہ جو ہم اصلاحات ثلاثہ مفصل بیان کریں یہ ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں
 کہ قرآن شریف میں کوئی ایسی تعلیم نہیں جو زبردستی مانتی پڑے بلکہ تمام قرآن کا مقصد صرف اصلاح
 ثلاثہ میں اور اسکی تمام تعلیموں کا لب لباب یہی تین اصلاحیں ہیں اور باقی تمام احکام ان اصلاحوں
 کے لئے بطور وسائل کے ہیں اور جس طرح بعض وقت ڈاکٹر کو بھی صحت کے پیدا کرنے کے لئے کبھی چیر
 کبھی مرم لگانے کی ضرورت پڑتی ہے ایسا ہی قرآنی تعلیم نے بھی انسانی ہمدردی کیلئے ان

کو لازم کو اپنے محل پر استعمال کیا ہے اور اسکے تمام معارف یعنی گیان کی باتیں اور وصایا اور سوا کل
 جسے مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو انکی طبعی حالتوں سے جو وحشیانہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہیں اخلاقی
 حالتوں تک پہنچائے اور پھر اخلاقی حالتوں سے روحانیت کے نامید اکسار و ریاضات تک پہنچائے
 اور پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ طبعی حالات اخلاقی حالات کے کچھ الگ چیز ہیں
 بلکہ یہی حالات ہیں جو تعدیل اور موقع اور محل پر استعمال کر نیے اور عقل کی تجویز اور مشورہ سے
 کام میں لانے سے اخلاقی حالات کا رنگ پکڑ لیتے ہیں اور قبل اسکے کہ وہ عقل اور معرفت
 کی صلاح اور مشورہ سے بھادرجوں کو وہ کیسے ہی اخلاق سے مشابہ ہوں وہ حقیقتاً اخلاق
 نہیں ہوتے بلکہ طبیعت کی ایک اختیار رفتار ہوتی ہے جیسا کہ اگر ایک کتے یا ایک بکری کو
 اپنے مالک کے ساتھ محبت اور انکسار ظاہر ہو تو اس کتے کو خلیق نہیں کہیں گے اور نہ اس بکری
 کا نام مہذب الاخلاق کہیں گے۔ اسی طرح ہم ایک بہیرے یا شیر کو انکی درندگی کی وجہ سے
 بدخلق نہیں کہیں گے بلکہ جیسا کہ ذکر کیا گیا اخلاقی حالت محل اور سوچ اور وقت شناسی کے
 بعد شروع ہوتی ہے اور ایک ایسا انسان جو عقل تدبیر سے کام نہیں لیتا وہ ان شیر خوار
 بچوں کی طرح جسکے دل اور دماغ پر مہنوز قوت عقلیہ کا سایہ نہیں پڑا یا ان دیوانوں کی طرح
 جو جو ہر عقل اور دانش کو کھو بیٹھے ہیں ظاہر ہے کہ جو شخص بچہ شیر خوار اور دیوانہ ہو وہ ایسی حرکت
 بعض اوقات ظاہر کرتا ہے کہ جو اخلاق کے ساتھ مشابہ ہوتی ہیں مگر کوئی عقلمندان کا نام اخلاق
 نہیں رکھ سکتا کیونکہ وہ حرکتیں تمیز اور موقع بینی کے چشمے سے نہیں نکلتیں بلکہ وہ طبعی طور پر
 تحریکوں کے پیش آنے کے وقت صاوری ہوتی جاتی ہیں جیسا کہ انسان کا بچہ پیدا ہوتے ہی
 مان کی چہایتوں کی طرف رخ کرتا ہے اور ایک مرغ کا بچہ پیدا ہوتے ہی دانہ چگنے کیلئے دوڑتا
 ہے۔ جو کہ کتا بچہ جو کہ کی عادتیں اپنے اندر رکھتا ہے اور سانپ کا بچہ سانپ کی عادتیں ظاہر
 کرتا ہے اور شیر کا بچہ شیر کی عادتیں دکھاتا ہے۔ بالخصوص انسان کے بچہ کو غور سے دیکھا جائے
 کہ وہ کیسے پیدا ہوتے ہی انسانی عادتیں دکھانا شروع کر دیتا ہے اور بہر جب برس ڈیڑھ
 برس کا ہوا تو وہ عادات طبعیہ بہت نمایان ہو جاتی ہیں۔ مثلاً پہلے جس طور سے روتا تھا اب

طبعی عادتیں تبدیل سے اخلاقی ہیں عقل ہر عادت میں

روزانہ نسبت پہلے کے کسی قدر بلند ہو جاتا ہے ایسا ہی ہنسنا و ہنسنے کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور آنکھوں میں بھی عموماً دیکھنے کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں اور اس عمر میں یہ ایک اور امر طبعی پیدا ہو جاتا ہے کہ اپنی رضامندی یا نارضامندی حرکات سے ظاہر کرتا ہے اور کسی کو مارنا اور کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے مگر یہ تمام حرکات و افعال طبعی ہوتی ہیں۔ پس ایسے سچے کی مانند ایک وحشی آدمی بھی ہے جسکو انسانی تمیز سے بہت ہی کم حصہ ملا ہے وہ بھی اپنے ہر ایک قول اور فعل اور حرکت اور سکون میں طبعی حرکات ہی دکھاتا ہے اور اپنی طبیعت کے جذبات کا تابع رہتا ہے کوئی بات اس کے اندرونی قویٰ کے تدبیر اور تفکر سے نہیں نکلتی بلکہ جو کچھ طبعی طور پر اس کے اندر پیدا ہوا ہے وہ خارجی تحریکوں کے مناسب حال نکلتا چلا جاتا ہے یہ ممکن ہے کہ اس کے طبعی جذبات جو اس کے اندر سے کسی تحریک سے یا ہر آنے ہیں وہ سب کے سب برے نہ ہوں بلکہ بعض ان کے نیک اخلاق سے مشابہ ہوں۔ لیکن عاقلانہ تدبیر اور مویشی گانی کو ان میں دخل نہیں ہوتا اور اگر کسی قدر ہو بھی تو وہ بوجہ غلبہ جذبات طبعی قابل اعتبار نہیں ہوتا بلکہ جس طرف کثرت ہے اسی کو معتبر سمجھا جائے گا۔

طبعی اخلاق

نعرض ایسے شخص کی طرف حقیقی اخلاق منسوب نہیں کر سکتے جس پر جذبات طبعی حیوانوں اور بچوں اور دیوانوں کی طرح غالب ہیں اور جو اپنی زندگی کو قریب قریب وحشیوں کے برابر کرتا ہے بلکہ حقیقی طور پر نیک یا بد اخلاق کا زمانہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے کہ جب انسان کی عقل خدا داد سمجھ ہو کر اس کے ذریعہ سے نیکی اور بدی یا دینیون یا فحشون کے درجہ میں فرق کو اس کے پہرے پہرے راہ کے ترک کرنے سے اپنے دل میں ایک حسرت پاوے اور برے کام کے ارتکاب سے اپنے تئیں متندم اور پشیمان دیکھے یہ انسان کی زندگی کا دوسرا زمانہ ہے جسکو خدا کے پاک کلام قرآن شریف میں نفس لوامہ کے تمام سچے تعبیر کیا ہے مگر یاد رہے کہ ایک وحشی کو نفس لوامہ کی حالت تک پہنچانے کیلئے صرف سرسری نصایح کافی نہیں ہیں بلکہ ضروری ہوتا ہے کہ اسکو خدا شناسی کا اس قدر حصہ ملے جس سے وہ اپنی پیدائش میں وہ اور خود خیال نہ کرے تا معرفت الہی سے سچے اخلاقی عمل پیدا ہوں اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ساقی ساقی

سچے خدا کی معرفت کیلئے توجہ دلائی ہے اور یقین دلا یا ہے کہ ہر ایک عمل اور خلق ایک نتیجہ رکھتا ہے جو اس زندگی میں روحانی راحت یا روحانی عذاب کا موجب ہوتا ہے اور دوسری زندگی میں کھلے کھلے طور پر اپنا اثر دکھائیگا۔ عرض نفس لوامہ کے درجہ پر انسان کو عقل اور معرفت اور پاک کائنات سے اس قدر حصہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ برے کام پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے اور نیک کام کا جو شہنشاہ اور حریص رہتا ہے یہ وہی درجہ ہے کہ جس میں انسان اخلاق فاضلہ حاصل کرتا ہے۔

اس جگہ بہتر ہوگا کہ میں خلق کے لفظ کی بھی کسی قدر تعریف کر دوں سو جانتا چاہئے کہ خلق خاکی نفع سے ظاہری پیدائش کا نام ہے اور خلق خا کے صنف سے باطنی پیدائش کا نام ہے اور چونکہ باطنی پیدائش اخلاق سے ہی کمال کو پہنچتی ہے نہ صرف طبعی جذبات سے اسلئے اخلاق پر ہی یہ لفظ بولا گیا ہے۔ طبعی جذبات پر نہیں بولا گیا۔ اور پہر یہ بات ہی بیان کر دوں گے لائق ہے کہ جیسا کہ عوام الناس خیال کرتے ہیں کہ خلق صرف طبعی اور نرمی اور انکسار ہی کا نام ہے یہ انکی غلطی ہے بلکہ جو کچھ بمقابلہ ظاہری اعضا کے باطن میں انسانی کمالات کی کیفیتیں رکھی گئی ہیں ان سب کیفیتوں کا نام خلق ہے مثلاً انسان آنکھ سے روتا ہے اور اس کے مقابل پر دل میں ایک قوت رقت ہے وہ جب بذریعہ عقل خدا واد کے اپنے عمل پر متعطل ہو تو وہ ایک خلق ہے۔ ایسا ہی انسان ہاتھوں سے دشمن کا مقابلہ کرتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جسکو شجاعت کہتے ہیں۔ جب انسان محل پر اور موقع کے لحاظ سے اس قوت کو ہمتال میں لاتا ہے تو اس کا نام ہی خلق ہے۔ اور ایسا ہی انسان کبھی ہاتھوں کے ذریعہ سے مظلوموں کو ظالموں سے بچانا چاہتا ہے یا ناداروں اور یتیموں کو کچھ دینا چاہتا ہے یا کسی اور طرح سے بنی نوع کی خدمت کرنا چاہتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جسکو رحم کہتے ہیں اور کبھی انسان اپنے ہاتھوں کے ذریعہ سے ظالم کو سزا دیتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جسکو نفور اور صبر کہتے ہیں اور کبھی انسان بنی نوع کو فائدہ پہنچانے کے لئے اپنے ہاتھوں سے کام لیتا ہے یا بیرون سے

یا دل اور وماغ سے اور انکی پیروی کیلئے اپنا سرمایہ خرچ کرتا ہے تو اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جسکو سخاوت کہتے ہیں۔ پس جب انسان ان تمام قوتوں کو موقع اور محل کے لحاظ سے استعمال کرتا ہے تو اس وقت انکا نام خلق رکھا جاتا ہے اور جل شانہ ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے اِنَّكَ لَعَلَّ الْخَلْقِ عَظِيمٌ یعنی تو ایک بزرگ خلق پر قائم ہے سو اسی نشر نوح کے مطابق اسکے معنی ہیں یعنی یہ کہ تمام قسمیں اخلاق کی سخاوت۔ شجاعت۔ عدل۔ رحم۔ احسان۔ صدق۔ حوصلہ وغیرہ سب میں جمع ہیں۔ غرض جس قدر انسان کے دل میں قوتیں پائی جاتی ہیں جیسا کہ اوپر۔ حیا۔ دیانت۔ مروت۔ غیرت۔ استقامت۔ عفت۔ زہادت۔ اعتدال۔ مواسات یعنی ہمدردی۔ ایسا شجاعت۔ سخاوت۔ عفو۔ صبر۔ احسان۔ صدق۔ وفا وغیرہ جب یہ تمام طبعی حالتیں عقل اور تدبیر کے مشورہ سے اپنے اپنے محل اور موقع پر ظاہر کی جائیں گی تو سب کا نام اخلاق ہوگا اور یہ تمام اخلاق درحقیقت انسان کی طبعی حالتیں اور طبعی جذبات ہیں اور صرف اس وقت اخلاق کے نام سے موسوم ہوتے ہیں کہ جب محل اور موقع کے لحاظ سے بالارادہ ان کو استعمال کیا جائے چونکہ انسان کے طبعی خواص میں سے ایک یہ بھی خاصہ ہے کہ وہ ترقی پذیر جاندار ہے اسلئے وہ سچے مذہب کی پیروی اور نیک صحبتوں اور نیک تعلیموں سے ایسے طبعی جذبات کو اخلاق کے رنگ میں لے آتا ہے اور یہ امر کسی اور جاندار پر کب لے نصیب نہیں ۛ

Digitized by Khilafat Library

اصلاح اول یعنی طبعی حالتیں

اب ہم منجملہ قرآن شریف کی اصلاحات ثلاثہ کے پہلی اصلاح کو جو اولیٰ درجہ کی طبعی حالتوں کے متعلق ہے ذکر کرتے ہیں اور یہ اصلاح اخلاق کے شعبوں میں سے وہ شعبہ ہے جو ادب کے نام سے موسوم ہے یعنی وہ ادب جسکی پابندی وحشیوں کو انکی طبعی حالتوں

کہا ہے پینے اور شادی کرنے وغیرہ تمدنی امور میں مرکز اعتدال پر لاتی ہے اور اس زندگی سے
نجات بخشی ہے جو حشیانہ اور چوپاؤں یا درندوں کی طرح ہو جیسا کہ ان تمام آداب کے بارے
میں اس حدیث شریف میں فرمایا ہے

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعُمَّتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ
الْأَخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّائِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمُ اللَّائِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَأُمَّهَاتُ
الَّذِينَ فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ اللَّائِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ
لَا يُحِلُّ لَكُمُ أَنْ تَرْثُوا نِسَاءَكُمْ كِهَاءً وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ
أَحِلُّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَلِلْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ
وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ أُولَٰئِكَ ذُكِّرُوا لَمْ يَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا
وَتُسَلِّمُوا عَلَيْهِمْ فَإِنْ كُنُمْ قِيْدًا فِيهَا فَمَا جُنَاحُكُمْ عَلَيْهِمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا كَمَا يُدْخِلُكُمْ فِيهَا بِيَدٍ قَبِيلٍ
لَكُمْ إِرْجَاؤَانِ فَجِئَاهُمَا نَسَوَا لَكُمْ وَأَتَا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَإِذَا حُجِّبْتُمْ بِتَحِيَّةٍ
فَجِئُوا بِأَحْسَنِ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجُمٌ مِّنْ عَمَلِ
الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ - حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخَازِيرِ
وَمَا أَهْلُ لُغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُتَخَفَاتُ وَالْمَوْقُودَةُ وَالْمُتْرَدِيَّةُ وَالنَّظِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبْعُ وَمَا ذَرَجَ
عَلَى النَّصْبِ نَيْبًا وَنَاكَ مَا ذَا الْحِلِّ لَهَا قُلْ حِلُّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَإِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا
فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا وَإِذَا قِيلَ انْشُرُوا فَانْشُرُوا - كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا وَقُولُوا
قَوْلًا سَدِيدًا وَأَتِيَاكُمْ فَمَقَرُّوكم وَالرَّجْزُ فَاجْتَنِبُوا وَانْصَبْ مِنْ صُوتِكَ وَقْصِدْ فِي مَشْيِكَ
تَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنَّمَا اللَّهُ يُرِيدُ لِلنَّاسِ التَّحْذِيرَ
وَالْهُدَىٰ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي لَيْسَاتِكُمْ فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِمَّا ضَرَفْتُمْ فِي الْأَرْوَاحِ
وَرِبَاعٌ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَقْدِرُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ يَمَانُكُمْ ذَلِكَ لَدَفِي لَعْنَةِ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْسِدُونَ

ترجمہ یعنی تمہاری مائیں حرام کی گئیں اور ایسا ہی تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بھینیں اور
 تمہاری بیویاں اور تمہاری خالائیں اور تمہاری بھتیجیاں اور تمہاری بھانجیاں . . .
 . . . اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں وہ وہ پلایا اور تمہاری رضاعی بہنیں اور
 تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کے پہلے خاوند سے لڑکیاں جن سے تم ہم
 ہو چکے ہو اور اگر تم ان سے ہم صحبت نہیں ہوئے تو کوئی گناہ نہیں اور تمہارے حقیقی بیوی
 کی عورتیں اور ایسے ہی وہ بہنیں ایک وقت میں یہ سب کام جو پہلے ہوتے تھے آج تم پر
 حرام کئے گئے۔ یہ ہی تمہارے لئے جائز نہ ہو گا کہ جبراً عورتوں کے وارث بن جاؤ۔ یہ ہی
 جائز نہیں کہ تم ان عورتوں کو نکاح میں لاؤ جو تمہارے یا انکی بیویاں تھیں۔ جو پہلے ہو چکا
 سو سوچا پاک و امن عورتیں تم میں سے یا پہلے اہل کتاب میں سے تمہارے لئے حلال ہیں
 کہ ان سے شادی کرو لیکن جب مہر قرار پا کر نکاح ہو جائے بدکاری جائز نہیں اور نہ چہا پہل
 یا رانہ۔ عرب کے جاہلون میں جس شخص کے اولاد نہ ہوتی تھی بعض میں یہ رسم تھی کہ انکی بیوی
 اولاد کے لئے دوسرے سے نشانی کرتی۔ قرآن شریف نے اس صورت کو حرام کر دیا۔
 مسافحت اسی بد رسم کا نام ہے۔ پہر فرمایا کہ تم خود کشتی نہ کرو اپنی اولاد کو قتل نہ کرو اور دوسرے
 گہرون میں وحشیوں کی طرح خود بخود بے اجازت نہ چلے جاؤ۔ اجازت لینا شرط ہے۔
 اور جب تم دوسرے گہرون میں جاؤ تو داخل ہوتے السلام علیکم کہو اور اگر ان گہرون
 میں کوئی نہ ہو تو جب تک کوئی مالک خانہ تمہیں اجازت نہ دے ان گہرون میں مت جاؤ۔
 اور اگر مالک خانہ یہ کہے کہ واپس چلے جاؤ تو تم واپس چلے جاؤ۔ اور گہرون میں دیوانہ
 پر سے کود کر نہ جایا کرو بلکہ گہرون میں ان گہرون کے دروازہ میں سے جاؤ۔ اور اگر کوئی
 تمہیں سلام کہے تو اس سے بہتر اور نیک تر اسکو سلام کہو۔ شراب اور قمار بازی اور بت پرستی
 اور شگون لینا یہ سب پلید اور شیطانی کام ہیں ان سے بچو۔ مردانہ مت کہاؤ۔ خنثیہ کا کو
 مت کہاؤ۔ بنوں کے چڑھاؤ سے مت کہاؤ۔ لاشی سے مارا ہوا مت کہاؤ۔ سینگ گھنے
 سے مارا ہوا مت کہاؤ۔ درندہ کا پہاڑا ہوا مت کہاؤ۔ بت پر چڑھایا ہوا مت کہاؤ۔ کیڑا کیڑا

مردان کا حکم رکھتے ہیں اور اگر یہ لوگ پوچھیں کہ پہر کھائیں کیا۔ تو جواب یہ دے کہ دنیا کی تمام پاک چیزیں کھاؤ صرف مردار اور مردار کے مشابہ اور پلید چیزیں مت کھاؤ۔ اگر مجلسوں میں تمہیں کھا جائے کہ کشادہ ہو کر بیٹھو یعنی دوسرے کو جگہ دو تو جلد کشادہ جگہ کر دو تا دوسرے بیٹھیں۔ اور اگر کھا جائے کہ تم اٹھ جاؤ تو پہر بغیر حویں و چراگے اٹھ جاؤ۔ گوشت وال وغیرہ سب چیزیں چوپاک ہوں بیشک کھاؤ مگر ایک طرف کی کثرت مت کرو اور اسراف اور زیادہ خوری سے اپنے تئیں بچاؤ۔ لغو باتیں مت کیا کرو محل اور موقع کی بات کیا کرو۔ اپنے کپڑے صاف رکھو۔ بدن کو اور گہر کو اور کوچہ کو اور ہر ایک جگہ کو جہان تمہاری نشست ہو پلییدی اور میل کچیل اور کثافت سے بچاؤ یعنی غسل کرتے رہو اور گہروں کو صاف رکھنے کی عادت پکڑو۔ نہ بہت اونچا بولا کرو نہ بہت نیچا درمیان کو نگاہ رکھو یعنی باستثناء وقت ضرورت کے چلنے میں بھی نہ بہت تیز چلو اور نہ بہت آہستہ درمیان کو نگاہ رکھو۔ جب سفر کرو تو ہر ایک طور پر سفر کا انتظام کر لیا کرو۔ اور کافی زاد راہ لے لیا کرو تا گداگری سے بچو۔ جنابت کی حالت میں غسل کر لیا کرو۔ جب روٹی کھاؤ تو سائل کو بھی دو اور کتے کو بھی ڈال دیا کرو اور دوسرے پرند وغیرہ کو بھی اگر موقع ہو یتیم لڑکیاں جن کی تم پرورش کرو ان سے نکاح کرنا مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر تم دیکھو کہ چونکہ وہ لاوارث ہیں شاید تمہارا نفس ان پر زیادتی کرے تو ان باپ اور اقارب والی عورتیں کرو جو تمہاری شوب رہن اور ان کا تمہیں خوف رہے ایک دو تین چار تک کر سکتے ہو بشرطیکہ اعتدال کرو اور اگر اعتدال نہ ہو تو پہر ایک ہی پرکھایت کرو۔ گو ضرورت پیش آوے۔ چار کی حد لگا دی گئی ہے وہ اس مصلحت سے ہے کہ تا تم پرانی عادت کے تعلق سے افراط نہ کرو۔ یعنی صد ہاتک نوبت نہ پہنچاؤ یا یہ کہ حرام کاری کی طرف جمعا نہ جاؤ اور اپنی عورتوں کو بہر دو۔

نعرہ یہ قرآن شریف کی پہلی اصلاح ہے جس میں انسان کی طبعی حالتوں کو وحشیانہ طریقہ سے پہنچا کر انسانیت کے لازم اور تہذیب کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اس تعلیم میں ہی اعلیٰ اخلاق کا کچھ نہ کہ نہیں صرف انسانیت کے آداب ہیں اور ہم لکھ چکے ہیں کہ اس تعلیم کی یہ

ضرورت پیش آئی تھی کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم کی اصلاح کے لئے آئے تھے وہ وحشیانہ حالت میں سب قوموں سے بڑھی ہوئی تھی کسی پہلو میں انسانیت کا طریق ان میں قسایم نہیں رہا تھا پس ضرور تھا کہ سب سے پہلے انسانیت کے ظاہری ادب ان کو سکھائے جاتے۔

منہر کی طرف

ایک نکتہ اس جگہ یاد رکھنے کے قابل ہے اور وہ نکتہ یہ ہے کہ خنزیر جو حرام کیا گیا ہے خدا نے ابتداء سے اس کے نام میں ہی حرمت کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ خنزیر کا لفظ خنز اور آڑ سے مرکب ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ میں اس کو فاسد اور خراب دیکھتا ہوں خنز کے معنی بہت فاسد آڑ کے معنی دیکھتا ہوں۔ پس اس جانور کا نام جو ابتداء سے خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کو ملا ہے وہی اس کی پلیدی پر دلالت کرتا ہے اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ ہندی میں اس جانور کو سور کہتے ہیں یہ لفظ بھی سور اور آڑ سے مرکب ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ میں اس کو بہت بُرا دیکھتا ہوں اور اس سے تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ سور کا لفظ عربی کیونکہ ہو سکتا ہے کیونکہ ہم نے اپنی کتاب منہر الرحمن میں ثابت کیا ہے کہ تمام زبانوں کی مان عربی زبان ہے اور عربی کے لفظ ہر ایک زبان میں نہ ایک دو بلکہ ہزاروں ملے ہوئے ہیں۔ سو سوء عربی لفظ ہے اس لئے ہندی میں سوء کا ترجمہ بد ہے پس اس جانور کو بد بھی کہتے ہیں۔ اس میں کچھ بھی شک معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ تمام دنیا کی زبان عربی تھی اس ملک میں یہ نام اس جانور کا عربی میں مشہور تھا جو خنزیر کے نام کے ہم معنی ہے پہر اب تک یادگار باقی رہ گیا۔ ان یہ ممکن ہے کہ شاستری میں اس کے قریب قریب یہی لفظ متغیر ہو کر اور کچھ بن گیا ہو مگر صحیح لفظ یہی ہے کیونکہ اپنی وجہ تسمیہ ساتھ رکھتا ہے جس پر لفظ خنزیر گواہ مطلق ہے اور یہ معنی جو اس لفظ کے ہیں یعنی بہت فاسد اس کی تشریح کی حاجت نہیں۔ اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا سناست خور اور نیز بے غیرت اور دیوث ہے۔ اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ قانون قدرت یہی چاہتا ہے کہ ایسے پلیدہ جانور کے گوشت کا اثر بھی بدن اور روح پر پلیدی ہی ہو کیونکہ

ہم ثابت کر چکے ہیں کہ غذاؤں کا ہی انسان کے بوج پر ضرور اثر ہے۔ پس ہمیں کیا شک ہے کہ ایسے ہڈ کا اثر ہی بد ہی پڑے گا جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے ہی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصیت میاکی قوت کو کم کرتا ہے اور دیوٹی کو بڑھاتا ہے اور مردار کا کھانا ہی اسی لئے اس شریعت میں منع ہے کہ مردار ہی کھانے والے کو اپنے رنگ میں لاتا ہے اور نیز ظاہری صحت کیلئے بھی مضر ہے اور جن جانوروں کا خون اندر ہی رہتا ہے جیسے کلا گھوٹا ہوا یا لالھی سے مارا۔ یہ تمام جانور و حقیقت مردار کے حکم میں ہی ہیں۔ کیا مردہ کا خون اندر رہنے سے اپنی حالت پر رہ سکتا ہے؟ نہیں بلکہ وہ بوج مرطوب ہونیکے بہت جلد گندہ ہوگا اور اپنی عفونت سے تمام گوشت کو خراب کرے گا اور نیز خون کے کیڑے جو حال کی تحقیقات سے ہی ثابت ہوئے ہیں مگر ایک زہرناک عفونت بدن میں پھیلا دیں گے۔

شکیت اور توجید

یسوع کی خدائی پر اس پہلو سے بحث کہ اسکی دعوت عام تھی یا خاص۔

پہریم حضرت مسیح کی خدائی کی کوئی جز تلاش کرنیکے لئے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کیا خدا کی عام خدائی کی طرح ان کی دعوت عام تھی یا ایک خاص گروہ تک محدود تھی ظاہر ہے کہ خدا صرف یہودیوں کا خدا نہیں بلکہ تمام قوموں یہودی۔ مجوسی۔ عیسائی۔ ہندو۔ ستارہ پرست وغیرہ کا خدا ہے۔ اور جو شخص خدا کا پورا اطل ہو کر دنیا میں ہدایت کیلئے آتا ہے ضرور ہے کہ اسکی دعوت بھی عام ہو اور چاہئے کہ اسکی فطرتی ہمدردی کا دائرہ اس قدر وسیع ہو جس قدر زمین پر مختلف قومیں وسعت کے ساتھ موجود ہیں۔ غرض ظہر کامل کیلئے یہ ضروری ہے کہ جیسے خدائی عام ہے ویسا ہی اسکی دعوت بھی عام ہو۔ اب دیکھو یہ تعجب کی جگہ ہے یا نہیں کہ دعویٰ تو خدائی

کتاب ہے مگر ہمت اس قدر مقبض اور مضحل ہے کہ صرف ڈیڑھ قوم ہی وہ تک جو بارہ قوموں میں سے باقی رہ گئی تھی اور وہ بھی ذلیل اور پست حالت میں تھی صرف اپنی تک حضرت مسیح اپنی خدائی کا دائرہ محدود کرنا چاہتے ہیں گو یارب العالمین کے مقابل پر ایک چھوٹی سی خدائی کی تجویز کی گئی ہے۔ کیا خدا کی خدائی یہودیوں کے چنداڑے ہوئے گھردن تک محدود تھی۔ میں کیونکر مان سکتا ہوں کہ جو شخص اپنے تئیں اس خدا کا اقرار کرتا ہے کہ جو دنیا کی تمام قوموں کا خدا ہے اس کی ہمت اور نظر صرف چنداڑی شکر کون تک ہی محدود رہے۔

دیکھو جو خدا کا پورا خلیفہ اور مظہر اتم نہا اس نے مسیح کی طرح نہیں کیا جو صرف مکہ الیٰ تک اپنی دعوت کو محدود کر کہا جو بلکہ ظاہر کر دیا کہ وہ ہی خدا کی طرح اپنی دعوت عام رکھتا ہے ہم اس مقام میں کسی پرزہ بردستی نہیں کرینگے بلکہ صرف ہم حضرت مسیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت اور ہمدردی کا بالمقابل اندازہ دکھلانے کے لئے انجیل اور قرآن شریف میں سے دو آیتیں لکھ دیتے ہیں تا ناظرین کو معلوم ہو کہ ان دونوں پر رگ نبیوں میں سے کون بنی صفت علو ہمت اور عام ہمدردی کی بنا پر دعوت کیلئے اٹھا ہے اور کون بنی صرف اپنی خاندان کے چند گھردن تک اپنی ہمت اور ہمدردی محدود رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کی پاک خلقت اور پورا مظہر الہی ہونیکے لئے یہ بھی ایک پیمانہ ہے کہ بنی نوع کی ہمدردی کے بارے میں اسکے ہمت ایسی عالی اور اسکی خیر خواہی ایسی اتم اور مکمل ہو کہ کوئی فرد انسانی اور کوئی قوم اسکے نیک ارادوں سے ہار نہ رہ سکے ایسا شخص درحقیقت خدا کا کامل مظہر اور کامل خلیفہ ہوتا ہے جس کی بنی نوع کے لئے ہمدردی تمام انسانی روحوں پر محیط ہوتی ہے اور ایسی کامل ہوتی ہے جو خدا کی ربوبیت اور رحیمیت کے دوش ہدوش چلتی ہے سہاں عظیم الشان صفت کی جب ہم حضرت مسیح میں تلاش کرتے ہیں تو چاروں انجیلوں کی تمام ورق گردانی کر کے صرف ہمیں یہ آیت ملتی ہے کہ میں بھیجی ہوئی اسدائیل کی بہیڑوں کے اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ (متی ۲۴) لیکن قرآن اس بات سے بھرپور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نوع انسان کی اصلاح کیلئے اپنے تئیں پیش کیا ہے جیسا کہ خدا نے فرمایا قُلْ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ

مختصر تاریخ اسلام و سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

الْبَيْتِ كُلِّهِمْ جَمِيعًا وَقَامَتْ سَلْمُنَاكَ الْاَلَارْحَمَةُ لِلْعَالَمِينَ۔ یعنی کہ جسے کہ میں تمام انسانوں کی اصلاح کیلئے بھیجا گیا ہوں۔ اور جسے تمام عالموں کے لئے سچے ایک رحمت مجسم بنا کر بھیجا ہے اب وہ کہیو کہ دعوت کے امر میں محمدی ہمت نے زمین کا کوئی ایسا کنارہ چھوڑا نہیں چاہا جس میں کوئی فرقہ انسانوں کا موجود ہو بلکہ تمام اس جن کو ہدایت کے لئے بلایا ہے اور کسی سے بخل نہیں کیا۔ پہر پنجاب کے مقابل پر اس بنی کو دیکھو جسکی طرف خدا کی دعویٰ منسوب کیا گیا ہے کہ اسرائیل کی بیٹیوں سے باہر قدم رکھنا نہیں چاہتا اور یہ حریت پر حریت یہ کہ اس فرض کو بھی تو پورا نہیں کیا۔

ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کے طور سے بہت عرصہ پہلے بنی اسرائیل کے فرقے زمین پر متفرق ہو چکے تھے اور جنکی طرف حضرت مسیح بھیجے گئے تھے وہ سب اور شلیم میں موجود نہیں تھے بلکہ ان کے بارہ فرقوں میں سے مثل فرقے دنیا کے مختلف مقامات اور بلاد میں بخت نصر کے حادث کے وقت پر گندہ ہو چکے تھے خود محقق عیسائی اس بات کے قائل ہیں کہ بعض فرقے ان میں سے ایران کی طرف سے ہو کر افغانستان میں اقامت گزین ہو گئے تھے اور درحقیقت وہی لوگ ہیں جو اب افغان کہلاتے ہیں اور ان ملکوں میں آباد ہیں اور بعض فرقے ان میں سے ہندوستان میں سے ہو کر کشمیر کی طرف چلے گئے اور یہ ثابت شدہ امر ہے کہ کشمیری لوگ درحقیقت وہی اسرائیلی ہیں جو طرح طرح کے انقلاب کے بعد آخر مسلمان ہو گئے اور یہ تو ریت کے آخری وعدہ کے موافق حق قبول کرنے کے بعد ان کو سلطنت بھی دی گئی جیسا کہ ظاہر ہے کہ افغانوں میں بھی اتنی سلطنت اور حکمرانی پائی جاتی ہے اور کشمیری بھی بادشاہ رہے ہیں۔ اور بعض یہودیوں کی طرف بھی چلے گئے تھے اور بعض تبت میں اور بعض چین تک بھی گئے۔ لیکن ان کا گروہ کشمیر افغانستان اور کشمیر میں رہا۔

پھر اگر مسیح اس دعویٰ میں سچا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کی متفرق بیٹیوں کو جمع کرنے آیا ہے تو اس کا فرض تھا کہ صلیب کے واقعہ بعد ان تمام ملکوں کی سیاحت کرنا جنہیں یہود نے بودو یا ش اختیار کر لی تھی اور مناسب تھا کہ جب کہ وہ اور شلیم کے یہودیوں کی اصلاح سے نومید ہو چکا تھا تو بلا توقف صلیب سے نجات پا کر یا بقول صیائیہاں دوبارہ زندگی حاصل کر کے ہندوستان میں آتا اور ایران

بنی اسرائیل کا فرقہ

بنی اسرائیل کا فرقہ
بنی اسرائیل کی متفرق بیٹیوں کو

اور افغانستان کی سیر کرتا اور کشمیر میں جاتا اور اس ملک کے یہودیوں پر اتمامِ حجت کرتا اور اس حیاتِ ابدی کی طرف اُن کو بلاتا جس سے یہودِ یسوعی بے نصیب رہتے تھے اور اس طرح پر اپنا فرض پورا کر کے اُن کا دل بندوں میں داخل ہوتا جو اپنی ذمہ داری کے کاموں کے لئے جان دینے تک ہی تیار ہوتے ہیں۔ یہ کس قسم کی دانشمندی تھی کہ فرض منصبی تو ابھی پورا نہیں کیا اور وہ بدقسمت قومیں جن کی اصلاح کے لئے آیا تھا ابھی اکثر اُن کے بلکہ قریباً تمام اُن کے بجز ایک قلیل فرقہ کے اُس کے آنے سے ہی بخیر ہیں اور حبیبِ آسمان پر جا بیٹھا کیا آسمان پر بھی کوئی یہودیوں کا فرقہ رہتا تھا جسکی اصلاح کے لئے آسمانی سفر بھی ضروری تھا اور جبکہ یسوعی اس قدر قوت اور طاقت موجود تھی کہ وہ آسمان پر چڑھ گیا تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ کشمیر کا سفر اس کے لئے کچھ مشکل نہ تھا بلکہ یہ ملک بلادِ شام سے آبِ دہرا میں بہت ملتا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ افغانستان میں جانا بھی کچھ دشوار نہ تھا پہر کیونکر اسکو یہ خیال آیا کہ اپنے فرض سے سبکدوش ہونے سے پہلے ہی لاکھوں یہودیوں کو بے خبر اور نا کام چھوڑ کر آسمان کی راہ لی۔ تعجب کہ کیونکر اُس کا قدم آسمان کی طرف چلا اور کیونکر اس کو کائناتِ شمس نے قبول کر لیا کہ ایک گروہ کثیر ہوں۔ کو جو صد سال سے اسکی انتظار کر رہے تھے اور دن رات اُس کے ظہور کے لئے دعا میں مانگتے تھے اور وطن سے بے وطن تھے بیکارگی اور غمِ فراموش کر دیا اور ایک دفعہ ہمدردی کی رگِ حقیقت میں نہ آئی۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر وہ اپنا فرض منصبی ادا کر لیتا تو قابلِ تعریف ٹھیکر جاتا۔ آسمان پر نبی سبیلِ کھلتا اور زمین پر تکالیفِ سفر کی وجہ سے قوم کی نظر میں چپا فدیہ ٹھیکر ظاہر ہے کہ آسمان پر اس کا بیٹھنا نہ اسکے لئے مفید تھا اور نہ اس کی قوم کے لئے۔ سچا فدیہ یہی تھا کہ وہ یہودیوں کا پتہ لگا کر اُن دور دراز ملکوں تک سفر کرتا کہ جن ملکوں میں یہودیوں نے بود و باش اختیار کر لی تھی اور اس عظیم الشان فدیہ کی یادگار کے لئے نہایت مناسب اور موزوں تھا کہ وہ اسی تلاش میں غیر ملک میں مرنے اور غیر ملک میں

اس کی قبر جوتی تب ہر ایک عقل مند قائل ہو کہ درحقیقت اس نے قوم کی بھلائی کے لئے
اپنی جان کو شقت اور تکلیف میں ڈال کر اور آخر اسی راہ میں جان دے کر ان کے لئے
اپنے تئیں کفارہ کیا۔ مگر یہ یہود و کفار سمجھ میں نہیں آتا کہ قوم کے تو لاکھوں آدمی ہی
اس کے وجود سے ہی بے خبر بیٹھے ہیں مگر اس نے ایک لکھتی موت کو اپنے لئے پسند کیا اور
کفارہ میں کوئی مسیحی فلسفہ معنی نہیں اگر دید کے سر میں سخت درد ہوتا ہو۔ اور بکرا اس کی
اس حالت سے گہرا کر ایک پتھر سے پتھر سے ہڈی لے لے تو کوئی عقلمند اقرار نہیں کرے گا کہ بکرے
زید کی خیر خواہی کے لئے فعل کیا اور مسیح کی حقیقی خیر خواہی یہودیوں کے حق میں اسی میں تھی
کہ وہ تکالیف سفر اپنے پر گوارا کر لیتے اور سردی اور گرمی اور یہوک اور پیاس کی کچھ پروا
نہ کر کے مختلف ملکوں کی راہ لیتے۔ اگر ایسا کرتے تو خدا کی راہ میں سچے شہید کہلاتے اور
چونکہ مسیح کے لفظ کے ایک یہ بھی معنی ہیں کہ بہت سیاحت کرنے والا لہذا وہ اس حسیب
ان معنوں کے ہی مصداق ہو جاتے تب ہر ایک شخص آہ کینچ کر کہتا کہ کاش میں نبی قوم کو لئے
ایسی ہی تکالیف اٹھا کر قوم کے لئے فدیہ ہوتا جیسا کہ مسیح نے اٹھائیں اور فدیہ ہوا اور آئندہ
نسلوں کے لئے یہ اس کا کارنامہ آب زر سے لکھنے کے لائق ہوتا کہ وہ قوم کی مصلح اور
دستگیری اور نفع خوری کیلئے دور دور ملکوں میں گیا اور غربت اور مسافت کی حالت میں جان دی
اور وہیں دفن ہوا اور اس صورت میں وہ ہجرت کی سنت قدیمہ کو بھی جو سنت انبیاء سے پورا کرتا
بلکہ اپنے اس قول کے رو سے جو نبی بے غربت نہیں مگر اپنے وطن میں آسمان اور زمین دونوں
جگہوں میں عزت پاتا۔ اسے اس نے یہ کیا کیا کہ اپنے فرض منصبی کو تمام چھوڑ کر آسمان پر جا
بیٹھا گویا باریت سے گہرا کر گوشہ گزینی اور آرام پسندی اختیار کی جو طریق مروجی اور قوت سے
بہت بعید ہے۔

غرض حضرت مسیح کا اپنے فرض مذہبی سے قاصر نہ ہونا ان کے مقابل پر یہاں نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کا تمام انسانوں کو پورے جوش سے ہدایت کے لئے دعوت عام کرنا یہ شخص حضرت مسیح
علیہ وسلم اور حضرت مسیح میں ایک ایسا فرق ہے جس سے بیداشت معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت

مشت جوتی تب ہر ایک عقل مند قائل ہو کہ درحقیقت اس نے قوم کی بھلائی کے لئے
اپنی جان کو شقت اور تکلیف میں ڈال کر اور آخر اسی راہ میں جان دے کر ان کے لئے
اپنے تئیں کفارہ کیا۔ مگر یہ یہود و کفار سمجھ میں نہیں آتا کہ قوم کے تو لاکھوں آدمی ہی
اس کے وجود سے ہی بے خبر بیٹھے ہیں مگر اس نے ایک لکھتی موت کو اپنے لئے پسند کیا اور
کفارہ میں کوئی مسیحی فلسفہ معنی نہیں اگر دید کے سر میں سخت درد ہوتا ہو۔ اور بکرا اس کی
اس حالت سے گہرا کر ایک پتھر سے پتھر سے ہڈی لے لے تو کوئی عقلمند اقرار نہیں کرے گا کہ بکرے
زید کی خیر خواہی کے لئے فعل کیا اور مسیح کی حقیقی خیر خواہی یہودیوں کے حق میں اسی میں تھی
کہ وہ تکالیف سفر اپنے پر گوارا کر لیتے اور سردی اور گرمی اور یہوک اور پیاس کی کچھ پروا
نہ کر کے مختلف ملکوں کی راہ لیتے۔ اگر ایسا کرتے تو خدا کی راہ میں سچے شہید کہلاتے اور
چونکہ مسیح کے لفظ کے ایک یہ بھی معنی ہیں کہ بہت سیاحت کرنے والا لہذا وہ اس حسیب
ان معنوں کے ہی مصداق ہو جاتے تب ہر ایک شخص آہ کینچ کر کہتا کہ کاش میں نبی قوم کو لئے
ایسی ہی تکالیف اٹھا کر قوم کے لئے فدیہ ہوتا جیسا کہ مسیح نے اٹھائیں اور فدیہ ہوا اور آئندہ
نسلوں کے لئے یہ اس کا کارنامہ آب زر سے لکھنے کے لائق ہوتا کہ وہ قوم کی مصلح اور
دستگیری اور نفع خوری کیلئے دور دور ملکوں میں گیا اور غربت اور مسافت کی حالت میں جان دی
اور وہیں دفن ہوا اور اس صورت میں وہ ہجرت کی سنت قدیمہ کو بھی جو سنت انبیاء سے پورا کرتا
بلکہ اپنے اس قول کے رو سے جو نبی بے غربت نہیں مگر اپنے وطن میں آسمان اور زمین دونوں
جگہوں میں عزت پاتا۔ اسے اس نے یہ کیا کیا کہ اپنے فرض منصبی کو تمام چھوڑ کر آسمان پر جا
بیٹھا گویا باریت سے گہرا کر گوشہ گزینی اور آرام پسندی اختیار کی جو طریق مروجی اور قوت سے
بہت بعید ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں صفت رحمت عامہ موجود تھی اور وہ تمام بیاتین آپ کے نفس نفیس میں جمع تھیں جو دنیا کی تمام مختلف قوموں کو دعوت حق کرنے کے لئے ایک کامل مصلح میں ہونی چاہئیں مگر حضرت مسیح کی فطرت میں نہ رحمت عامہ اور نہ باقی یہ تمام صفات موجود تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح کی ہمت اپنی قوم کے پیش نظر کفار سے یعنی یہود سے آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ انکی فطرت میں آگے بڑھنے کے لئے موجود نہ تھے ناچار انہوں نے ایک تہوڑے سے اور مختصر کام پر ہی اپنی نبوت کو ختم کر دیا اور صاف اقرار کر دیا کہ میں صرف یسوع کی اولاد اور اپنے جدی لوگوں کے لئے پیغام دعوت لیکر آیا ہوں اور دنیا کی قوموں سے مجھے کچھ کام نہیں لیکن محمدی ہمت اور فطرت چونکہ تمام انسانی روحوں سے بہرہ روی کا تعلق رکھتی تھی اور انجذاب کی وہ روح تھی جس سے تمام روحین فیضیاب ہونے کے لئے پیدا کی گئی تھیں لہذا اس عالی ہمت نے اس پر اکتفا نہ کیا کہ وہ صرف قریش تک ہی اپنی رسالت کو محدود رکھتے یا محض عرب تک ہی اپنی دعوت کا انحصار کر لیتے بلکہ تمام نوع انسان کو دین اسلام کی طرف بلایا اور یہ ثابت کر دیا کہ اس پاک اور کامل فطرت کو یہ جوش دیا گیا ہے کہ ہر ایک جو زمین پر رہنے والا ہے خواہ نوع انسان میں سے ہے یا نوع جن میں سے وہ اسکے فیض عام سے فائدہ اٹھاوے۔

پس تو یہ ہے کہ زمین کے تمام کناروں تک عام بہرہ روی کا خیال دل میں بہر جانا اور عام قومین جو دوسری قوموں سے بالکل منقطع ہو کر اور علیحدہ علیحدہ مذہبوں اور ناموں سے مخصوص ہو کر اپنی اپنی جگہ پر مستقل ہو چکی تھیں سب کی اصلاح کا فکر کرنا اور سب کو نیکی اور ہدایت کی طرف بلانا اس قسم کی دعوت عامہ کا منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیا گیا ان میں سے بعض کا تو وہ زمانہ تھا کہ ہنوز مختلف قومیں دنیا میں آباد نہیں تھیں اور بوجہ نہ پڑنے کسی تفرق قاطع کے تمام انسان ایک ہی قوم کے حکم میں تھے اور بعض کا وہ زمانہ تھا کہ مختلف قومیں آباد تو تھیں مگر ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی یا خبر ہی تھی مگر ملاقات باہمی سخت دشوار تھی سہل اور آسان نہ تھی ان دونوں مذکورہ بالا صورتوں میں غیر

ممکن تھا کہ کسی نبی کی انبیاء گدشتہ میں سے کل قوموں کی دعوت عامہ ہوتی یا وہ دعوت کل قوم کیلئے دعوت کہلا سکتی پس جیسا کہ دوسرے نبیوں کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گدرد چکے ہیں تمام قوموں کے لئے دعوت عامہ کا منصب نہیں دیا گیا ایسا ہی حضرت مسیح کو ہی نہیں دیا گیا بلکہ یہ منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی خاص کیا گیا کیونکہ آپ ہی کی فطرت اس بوجھ کی متحمل ہوئی۔ اب جہاں تک انسانوں کے لئے خدا تعالیٰ کی خدائی کا زمین پر دامن پہلایا ہوا ہے وہاں تک ان تمام انسانوں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہی عام ہے اور یہ ایک عظیم الشان خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے جس کوئی دوسرا نبی شریک نہیں۔

ظاہر ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کا مظہر تمام ہوتے یا یوں کہو کہ خدا ہوتے تو یہ خصوصیت ان میں ہونی چاہئے تھی اور ہرگز ممکن نہ تھا کہ وہ اس ذات کامل کا رد پ بن کر جس نے سب انسانوں کیلئے اپنے سبوح اور چاند اور دوسری مخلوقات کو پیدا کیا ہے ایسی کم ہمتی دکھلاتے کہ صرف یہودیوں کے محدود و پے چند گھروں تک اپنی نبوت کو منحصر کر لیتے بلکہ چاہتے تھا کہ وہ یہ کہتے کہ جیسا کہ خدا تمام نوع انسان کا خدا ہے ایسا ہی میں ہی تمام نوع انسان کیلئے بھیجا گیا ہوں اور یہ عذر کہ اگرچہ پہلے انہوں نے یہی کہا تھا کہ میری رسالت بنی اسرائیل تک ہی محدود ہے اور میں خاص انہی کے لئے بھیجا گیا ہوں مگر آخر کو انہوں نے اس قول کی پابندی چھوڑ دی اور اپنے اس اقرار پر قائم نہ رہ سکے اور پھر دعوت عام کا دعویٰ کر دیا۔ یہ جواب ایسا ہے کہ بجز اسکے کہ ایک طور سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہجو کی جائے اور یہ مان لیا جائے کہ انکی لطیفیت کچھ ایسی واقعہ ہوئی تھی کہ انکو اپنے قول اور اقرار کا کچھ ہی پاس نہ تھا اور کچھ بھی اس جواب کا نتیجہ معلوم نہیں ہوتا کیونکہ جب کہ خود بقول حضرت مسیح کے یہ بات فیصلہ پا چکی تھی کہ وہ صرف یہودیوں کے لئے بھیجے گئے ہیں کبھی اور کے لئے تو پھر اس فیصلہ اور اس اقرار کے بعد ان کے لئے یہ گنجائش باقی نہیں تھی کہ وہ پہلے بیان سے انکاری ہو کر یہ کہہ دیتے کہ میں نہ صرف بنی اسرائیل کیلئے بلکہ تمام دنیا کے

حضرت مسیح کی دعوت کا یوں کہہ کر رد ہونا

لئے بھیجا گیا ہوں اس کی تو بعینہ یہ مثال ہے کہ مثلاً فرض کریں کہ ایک گواہ خالد نام نے
حلف اٹھا کر ایک جج کے سامنے اول یہ بیان کیا کہ زید نے جو ایک بڑا مالدار تھا ایک
کرور روپیہ مجھے اس غرض سے حوالہ کیا تھا کہ میں اس روپیہ کی کوئی جائداد خرید کر بکر کو
اسکی طرف سے دیدن اور وہ جائداد کا مالک واحد ہوگا اور اس جائداد میں کسی اور
شخص کو ایک پیسہ کا بھی حصہ دار قرار نہ دیا جائیگا۔ اور پھر اپنے تئیمہ بیان میں لکھوایا کہ زید
نے یوں کہا تھا کہ وہ جائداد صرف بکر کے حوالہ نہیں کی جائے گی بلکہ اسکے پاس اور شخص
بھی مالک ہونگے اور بکر کے شریک مساوی نہ کہ بکر اکیلا اور ان کے یہ یہ نام ہیں ثواب
بتلاؤ کہ کیا وہ جج اس مختلف بیان کو صحیح سمجھ لیگا اور پیش کردہ اشخاص کو بکر کے شریک قرار
دیدے گا نہیں بلکہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ اسی وقت اس کو حلف دروغی کے مقدمہ میں
پھنساٹے گا اور اس سے پوچھے گا کہ تیرے ان دونوں بیانون میں سے کونسا سچا اور کونسا
چھوٹا ہے اور آخر قانون کی حد تک حلف دروغی میں اسکو سزا دیگا۔

یاد رہے کہ ان کا حشر صحیح کیوں نہ تھا تو ان کی سزا

یہ حضرت عیسیٰ کی سختی ادبی ہے کہ لغو و باعدا سے متناقض اقوال ان کی طرف
منسوب کئے جاتے ہیں جو کسی عدالت میں پیش ہونے سے جرائم قابل منراہن پہناتے ہیں
لیکن افسوس کہ حضرات پادری صاحبان کو اس حرص شدید کی وجہ سے کہ کسی طرح حضرت مسیح
کو خدا مان لیا جائے یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ان کی کلام میں امور متناقضہ اور متضادہ جمع ہو کر
ہیں ایک بات کرتے ہیں اور پھر اسی وقت دوسری بات اسکی ضد اور اسکی نقیض بیان کی دہری
ہیں مثلاً ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ مسیح خدا کامل ہے اور پھر دوسری طرف یہ ہی کہہ دیتے
ہیں کہ وہ انسان کامل ہے اور نہیں سوچتے کہ جب تمام انسانی لوازم انسانیت کا کمال ثابت
کر نیکی لئے انکی ذات میں جمع ہونگے تو وہ الوہیت کے کمالات کے مخالف پڑینگے کیونکہ
ایک طرف تو انسانی جہالتیں اور انسانی سہو و نسبیان اور انسانی شہوات کا طوفان
حضرت مسیح کے نفس میں مان لیا جائے گا اور پھر اسی نفس کی لعبت یہ ہی عقیدہ رکھنا پڑے گا
کہ وہ تمام جہالتیں سے ازلی پاک اور تمام سہو و نسبیان سے ازلی برتر و اعلیٰ ہے پادری

صاحبوں کے لئے ہرگز مناسب نہیں ہے کہ اپنے غلط عقیدہ کو خواہ مخواہ صحیح ٹھہرائیں۔
 حضرت مسیح کے کلام کو تناقضات کا مجموعہ بناوین اور اس طرح پر یہودیوں کو نکتہ چینی کے لئے
 یہودین۔ یہ حضرت مسیح کی زندگی پر ظالمانہ حملہ ہے کہ انکی طرف اس دروغ بے فروغ کو نسبت
 کریں کہ اول مسیح ہونیکا دعویٰ کرتے ہی ایک مدت تک بلکہ صلیبی مقتد تک بار بار کھڑے
 و بازو میں یہ سنا تے رہے کہ میں سچا اسرائیل کی بیٹیوں کے اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا
 اور یہ جب دیکھا کہ یہ بات تو نبی نہیں اور یہودی مجھے قبول نہیں کرتے اور انکی نسبت تو
 اب بکلی اسید منقطع ہو چکی ہے تو اپنی ان تمام باتوں کو فراموش کر کے کہ جو کہا کرتا تھا کہ مجھ کو دوسری
 قوموں سے کچھ غرض واسطہ نہیں یہ شعوبہ شام شروع کر دیا کہ نہیں بلکہ میں تو تمام قوموں
 کے لئے بھیجا گیا ہوں اب دیکھو کہ اس تناقض کو جسکی نسبت سمجھ سکتے ہیں کہ اس کا ارتکاب
 کرنے والی ایک غرض نفسانی تھی حضرت مسیح کی طرف فسوس کرنا کس قدر اس غریب اور
 رہسبنا نبی پر ظلم شدید ہے۔

اگر بطور فرض مان لیں کہ معاذ اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے موہنے سے کوئی
 ایسا کلمہ نکلا تھا جس میں بظاہر اس قابل شرم تناقض کا وہم گذرنا تھا تو مناسب تھا کہ پاک دل
 محققین کی طرح ان دونوں قسم کے کلمات میں جو اپنی ظاہری صورت میں ایک نادران
 کے نزدیک تناقض کا خیال پیدا کرتے تھے اور حضرت مسیح پر اعتراض کا موقع دیتے تھے
 ایسے معنوں سے تطبیق کرتے کہ تناقض باقی نہ رہتا اور یہودیوں کو ہنسنے کا موقع نہ ملتا
 چنانچہ بات یہی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اول تو صاف صاف کہہ دیا کہ میں سچا
 اسرائیل کی بیٹیوں کے اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا اور یہ جب کہ وہ یہودی جو یروشلم میں
 اور اس کے گرد تھے شرارت اور بے ایمانی سے ہانڈے اٹھے اور حضرت مسیح کو قبول نہ کیا تو پھر حضرت
 مسیح نے اپنا فرض منصبی پورا کر نیکی لئے اپنے پرہیزگار و احب اور فرض لازم دیکھا کہ ان یہودیوں
 کی طرف توجہ کریں جو مختلف ملکوں کی طرف جلاوطن ہو کر چلے گئے تھے جیسا کہ بعض یونانیوں
 میں جب آکر آباد ہو گئے تھے اور بعض ہندوستان اور کشمیر کی طرف چلے گئے تھے اور بعض

افغانستان میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اب دیکھو یہ معنی کیسے صاف اور سیدھے
 اور قریب قیاس ہیں جن کے ماننے سے نہ تو کوئی تناقض لازم آتا ہے اور نہ مسیح علیہ
 السلام کی کسی بناوٹ اور جدید منصوبہ کی بدولت ہے اور ولخود مان
 لیتا ہے کہ جب کہ حضرت مسیح کو معلوم تھا کہ وہ تمام یہودیوں کی اصلاح کے لئے مبعوث
 ہوئے ہیں نہ صرف چند گھروں کے لئے تو یہ ان کا کام تھا اور ان کو کرنا چاہئے تھا
 کہ جب کہ یہوشلم کے یہودی سرکشی اور شرارت سے پیش آئے تھے اور ان سے امید
 ہدایت قطع ہو چکی تھی تو وہ تکالیف سیاحت اور سفر اپنے ذمہ کے کر ان یہودیوں کی طرف
 متوجہ ہوتے جو دور و راہ ملکوں میں چلے گئے تھے اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حضرت
 مسیح یروشلم کے یہودیوں سے نوید ہو کر گم گشتہ یہودیوں کے فرقوں کی طرف متوجہ
 نہیں ہوئے بلکہ اپنے پہلے قول اور اقرار کے مخالف اپنے ہوا ریوں کو یہ حکم کیا کہ اب تم
 غیر قوموں کی طرف جاؤ اور ان کو اپنے دین کی دعوت کرو تو یہ ایک دوسرا اعتراض حضرت
 مسیح پر وارد ہو گا کہ جس حالت میں ابھی وہ فرقے یہود کے ان کے وجود سے ہی بے خبر تھے
 جن تک اپنی دعوت کو پہنچانا مسیح کا اصل فرض تھا تو کیوں اس فرض کو نظر انداز کر کے
 دوسری قوموں کی طرف متوجہ کی۔

غرض یہ بات کسی طرح ٹھیک نہیں ہے کہ حضرت مسیح کی دعوت عام تھی اور جبکہ
 دعوت عام تھی تو اس سے خدائی کا دعویٰ بطلان ثابت ہوتا ہے اور ایسا ہی کفار
 کا مسئلہ کہ چونکہ خدا تمام قوموں کا خدا ہے دوسرے یہودیوں کا اور وہ جب کے لئے نجات
 کے طریق ظاہر کرتا ہے نہ محض اسرائیل کی اولاد کے لئے پس اگر یہ بات سچ ہے کہ انسانوں
 کی نجات بغیر کسی کے سولی ملنے کے غیر ممکن ہے تو اس صورت میں دوسری تمام مخلوقات
 کی نجات کے لئے کسی دوسرے مسیح کے خون کی اشد ضرورت ہے بلکہ دوسری کی ضرورت
 (۱) ایک تو ایسا مسیح چاہئے کہ جس فرض کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ادا ہو رہے ہیں اور ان پر
 جا بیٹھے تھے یعنی یہود کے دوسرے فرقوں کو حکم الہی پہنچانا جو ان کا فرض تھا اس فرض کو

وہ پورا کرے اور سیاحت اختیار کر کے جس قدر یہودی غیر ملکیوں میں آباد ہیں ان کو خدا کا حکم پہنچا دے اور پھر ان کے لئے سولی بچائے (۲) دوسرا وہ مسیح چاہئے جو دوسرے تمام انسانوں کے لئے جو یہودی نہیں ہیں صلیب پر اپنی جان دیوے۔

یسوع کی خدائی پر بحث اس کی پیش کردہ معدومیت کے لحاظ سے

اب جبکہ دلائل مذکورہ بالا سے ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میری دعوت تمام نوع انسان کے لئے عام ہے بلکہ یہ دعویٰ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تو دعوت کے رو سے تو حضرت مسیح میں کوئی ایسی خصوصیت پائی نہ گئی جس سے انکی خدائی کا کچھ خیال پیدا ہو سکے اب ہمیں یہ دیکھنا باقی رہا کہ کیا معدوم ہونے میں حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت ہے تا یہ حجت پیش ہو سکے کہ وہی خصوصیت ان کی خدائی پر ایک دلیل ہے۔

پس واضح ہو کہ اس مقام میں حضرت مسیح کا اپنا ہی قول ایک فیصلہ کرنے والا قول ہے کیونکہ انجیل میں لکھا ہے کہ ایک نے آکے مسیح سے کہا اے نیک استناد میں کونسا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔ اس نے اسے کہا تو کیوں مجھے نیک کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔ دیکھو انجیل متی باب ۱۹-۱۷ آیت مذکورہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح نے نیک ہونے سے انکار کیا ہے اور اس کے معنی بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ مسیح اپنے متین گنہگار سمجھتا تھا اور پادری صاحبوں کی طرف سے اس جگہ یہ جواب ہے کہ چونکہ مسیح جانتا تھا کہ میں خدا ہوں اس لئے اس طرز کی تقریر سے اس کا یہ منشا تھا کہ جو شخص مجھے انسان سمجھتا ہے وہ کیوں مجھے نیک کہتا ہے کیا انسان نیک ہو سکتا ہے مگر ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ یہ جواب ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اگر مسیح نے اپنی خدائی کا دعویٰ یہودیوں کے آگے پیش کیا تھا تو ایسا دعویٰ کرنے والا تو ان کے نزدیک کافر اور نہایت بد آدمی اور لوریت کے رو سے

یسوع کا اپنا قول کہ میں نیک نہیں۔

واجب القتل تھا تو پھر کیونکر ایک یہودی ایسے دعوے کو منکر اسکینیا کہہ سکتا تھا اور اگر
اس یہودی نے خدائے کے دعوے کو مان لیا تھا تو پھر ایسی بات کہنے کا کوئی موقع نہیں
تھا کہ تو میری خدائی سے منکر ہو کر ہر جگہ کیوں نیک کہتا ہے یہ بات و حقیقت غیر قابل
اور غیر ممکن ہے کہ ایک یہودی شخص نے اپنے کانوں سے سنا ہو کہ حضرت مسیح خدائی کا
دعوے کرتے ہیں اور پھر وہ ان کو نیک کہہ سکے یہودیوں کا ہرگز یہ مذہب نہیں ہے کہ
خدا کا دعوے کرنا لالائیک ہو سکتا ہے پس جس یہودی نے حضرت مسیح علیہ السلام کو نیک کہا
تھا اسکی نسبت پادری صاحبوں کو بہر حال یہ فرض کرنا پڑے گا کہ وہ حضرت مسیح کی خدائی پر
ایمان رکھتا تھا ورنہ وہ کیونکر ان کو نیک کہہ سکتا تھا تو اس صورت میں وہ توجیہ باطل ہو جاتی
جو پادری صاحبان اس آیت میں کرتے ہیں۔ پس کچھ شک نہیں کہ ایسے معنی مذکورہ بالا آیت
کے محض بناءً ہو گئے ہیں مسیح کے الفاظ سے وہ معنی ہرگز نہیں نکلتے اور ایسی
یہودہ کیخ تان سے مسیح کے مضمون بناءً کے لئے کوشش کرنا ہرگز کوئی منصف اور عقل مند
پسند نہیں کریگا۔

سنتا ہوا تھا کہ وہ

صاف ظاہر ہے کہ مسیح نے مذکورہ بالا آیت میں اپنے نیک ہونے سے سادہ
اور سہل الفاظ میں انکار کیا ہے اور یہی الناظر استبازوں کے محاورہ میں ہمیشہ سے
داخل ہیں کہ وہ اپنے تئیں کمزور سمجھ کر حقیقی نیکی خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں اور انکا
یہی عقیدہ ہوتا ہے کہ حقیقی طور پر صرف خدا ہی نیک ہو اور تمام بندے اسی سے قوت
پاکر نیک بنتے ہیں نہ کہ خود بخود۔ اب کس قدر ظلم اور حق پوشی ہے کہ ایک رید ہے اور عدا
اقرار کو جو استبازوں کی خواہر خلق کے سر اسد مناسب حال ہے خدائی کے دعوے کی
طرف کہیںجا بائے۔ ظاہر ہے کہ یہی الفاظ قدیم سے رہتبا زون کے استعمال میں آتے ہیں
ہیں اور ہر ایک قوم کے رہتبا زون کے موزن سے یہی کلمہ نکلتے ہیں کہ وہ حقیقی نیکی کا
سر چشمہ اپنے مولیٰ کریم کو ہی ٹھہرتے رہے ہیں اور جب انکو نیک کہا جاتا تھا تو وہ انکسار
کے طور پر اپنا اپنی کمزوری کو خیال کر کے یہی جواب دیتے رہے کہ حقیقی نیکی خدا کے

لئے مسلم ہے۔

اب ایسے کلمات کو جو اپنی کمزوری اور خدا کی عظمت کے لئے وضع کئے گئے تھے۔
 شکبرانہ رنگ میں لے آنا اور ان سے خدائی کا دعویٰ کرنا عجیب و غریب حکم ہے کیا
 ایک پاک کائنات قبول کر سکتا ہے کہ نیک استاد کہنے سے مسیح کو یہ جوش آیا کہ لوگ مجھے
 خدا کر کے کیوں نہیں پکارتے حالانکہ آیت کے سیاق سباق سے صاف ظاہر ہوتا ہے
 کہ مسیح نے اس مقام میں اپنی فطرتی سعادت کی وجہ سے انخسار دکھلایا اور اس شخص
 کو اس بات پر متنبہ کیا کہ حقیقی نیکی کا حشر خدایہ ہے اور جو کچھ تو مجھ میں نیکی دیکھتا ہے
 وہ میری طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ یہ ایک معرفت کا سبق تھا جو مسیح
 نے اسکو دیا نہ کہ شیخی میں اگر نہایت تجربے اپنی خدائی کو پیش کیا۔ خدائی تو جو کچھ تھی
 وہ روزانہ مصیبتوں اور ناکامیوں سے ظاہر تھی حاجت بیان تھی پہلے اسکے دمانے سے
 ناراض ہونا اور چرنا اور غصہ ہونا اخلاق سے بھی بہت بعید تھا اور سر اسرے وجہ تھا
 ہمیں پادری صاحبان معاف کریں اگر ان کو یہ بات تلخ معلوم ہو کہ جس شخص کو عظمت
 خود اختیار کی بھی طاقت نہیں تھی جو خدائی کے اونے لوازم میں سے ہے اور
 یہودیوں نے جو خود کمزور اور ذلیل ہو رہے تھے اسکو پورے اقتدار سے تکلیفیں پہنچا
 اور جو کچھ چاہا اس سے کیا تو کیا ایسے شخص کو عقل سلیم خدائے قادر مطلق کہہ سکتی ہے
 یا ایک عاجزانسان؟ کیا ہم خدا کی طرف یہ ذلتیں منسوب کر سکتے ہیں کہ وہ چند کمزور
 انسانوں کے ہاتھ سے پکڑا گیا اور حالات میں کیا گیا اور ایک ضلع سے دوسرے ضلع
 میں اسکا چالان ہوا اور سپاہیوں کے ہاتھ سے اس نے طمانچہ کھائے اور
 ساری رات کی دعا قبول نہ ہوئی اور کیا عقل قبول کر سکتی ہے کہ جو شخص خود خدا تھا
 اس کو یہ دعا کی حاجت تھی؟

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جیسا کہ پادری صاحبان
 سمجھتے ہیں معصوم ہونا ہی ثابت نہیں ہوتا۔ اگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار سے گناہ گنا

یہ کلام

یہ کلام

ہونے کے معنی نکالے جاتے ہیں تو پھر حضرت مسیح کے اس اقرار سے کہ مجھے نیک مانتا ہوں
 بوجہ اولی گناہ گار ہونا ثابت ہوتا ہے بلکہ مسیح کی علی حالتین انہیں معنوں پر روشنی ڈال کر حق
 الیقین تک انکو پہنچاتی ہیں۔ کیونکہ اول تو مسیح نے یوحنا کے ہاتھ پر توبہ کا اصطلاح لیا جس
 میں اعتراف گناہ کا ہے پس اصطلاح کیا لیا گیا گناہ گار ہونے پر ہر گناہی۔ مگر ہمارے نبی
 صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی کے ہاتھ پر توبہ نہیں کی۔ یہ بات ایک بڑی غور کے لائق ہے کہ اگر
 مسیح معصوم تھا تو اسے توبہ کی کیا ضرورت تھی دوسرے کی خدمت میں ایک ذلت کے ساتھ
 حاضر ہونا اور گناہ کا اقرار کرنا بچہ اس صورت کے کب ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے دل میں
 محسوس کرے کہ میں گناہ گار ہوں اور دوسرے یہ کہ مسیح پر اور اس کی والدہ پر دشمنوں نے جو
 یہودی ہیں وہ سخت تزارام لگائے ہیں جن کے کہنے سے ہی ہاتھ کانپتا ہے بلکہ بعض انہیں
 تو ایسے ہیں کہ مسیح نے اپنے ذمہ خود انکو قبول کر لیا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ انجیلوں میں حواریوں
 نے ان پر گواہی دے دی ہے اور عیسائی مورخین نے ان کو مان لیا ہے اور یہودیوں کی کتابوں
 اور تاریخوں کے دیکھنے سے جو اعتراضات سے پر ہیں مسیح کی عصمت کی نسبت اس قدر
 اور شکلات پیش آگئی ہیں کہ انہیں سے کہنا پڑتا ہے کہ کاش پادری صاحبان خدا کے پاک
 نبیوں کی نکتہ چینی نہ کرتے اور توہین اور تحقیر اور عیب گیری نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں
 کا دل نہ دکھاتے تا مسلمان ہی یہودیوں کی کتابوں کی مدد سے اور خود انجیلوں میں سے ہی
 حضرت مسیح کے عیون کی تفتیش نہ کرتے یہ گناہ و حقیقت پادری صاحبوں کی گردن پر ہے
 کہ وہ تمام مقدس اور استبازوں کی عیب گیری پر کمر بستہ ہو گئے اور طرح طرح کی بیجا تاویلوں
 بلکہ اقراؤں سے چاہا کہ خواہ مخواہ خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں کو گناہ گار ٹھہرا دیں اسلئے خدا نے
 حضرت مسیح کو ہی نکتہ چینیوں سے محفوظ رکھا یہہ مقولہ نہایت سچ ہے بلکہ پادری صاحبوں
 کے حق میں یہ پیشگوئی ہے کہ عیب مت لگاؤ تا تم پر ہی عیب نہ لگایا جائے اور یاد رہے
 کہ یہ طریق نبیوں کی عیب گیری اور نکتہ چینی کا حقیقت انیسویں صدی عیسوی کے پادریوں
 کو اس کا سوجدہ کہنا چاہیے مگر انہوں نے اپنا نہیں کیا کہ اس طریق پر حد سے زیادہ زور دیا اور

مسلمانوں کے دلوں کو حد سے زیادہ آزار پہنچایا یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ کونسی عصمت اور پاک اپنی حضرت مسیح میں ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود نہیں۔ مسیح کی سرگزشت میں گنہگار اقرار ہی موجود ہے۔ گناہ گاروں کی طرح توبہ ہی موجود ہے۔ اور گناہ گاروں والے افعال ہی موجود ہیں۔ اور اگر دشمن کی نکتہ چینی اور عیب گیری سے کوئی نبی خدا کا مجرم بن سکتا ہے تو جیسا کہ یہودیوں کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے ایسی ہی نکتہ چینیوں کے انبار و انبار حضرت مسیح کی زندگی میں ہی موجود ہیں۔

مثلاً ایک شراب پی کو دیکھو جو آدم الخبائث جو جس سے طح کے نفسانی جوش پیدا ہو کر کبھی انسان مرتکب فسق و فجور کیونکر ہے اور کبھی خون ریزی کا ارتکاب کرتا ہے اور بلاشبہ یہ تمام گناہوں کی مان ہے مگر نہ صرف یہودیوں کے اعتراضات سے بلکہ انجیل سے بھی ثابت ہے کہ حضرت مسیح تمام عمر کے مرتکب رہے اسی وجہ سے عیسائیوں کی عشا و ربالی کی ہی ایک جڑ ہے اور انجیل میں حضرت مسیح اقرار کرتے ہیں کہ یوحنا شراب نہیں پیتا تھا مگر اپنی نسبت بالغہ سے کہاؤ پٹو کا لفظ استعمال کیا ہے غرض اس میں کسی کو بھی کلام نہیں کہ یسوع مسیح شراب پیکر تا تھا چنانچہ پرچہ اخبار ایسی قمی ۲۷- اپریل ۱۹۱۷ء میں بھی جو ایک مشہور پادریوں کا پرچہ انگریزی زبان میں کلکتہ سے نکلتا ہے یہ عبارت ہے یہ مسیح گوشت بھی کھاتا تھا اور شراب بھی پیتا تھا۔ اور کتاب انی ایل باب اول میں شراب کو ناپاک قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ انی ایل اسکو ناپاک سمجھتا تھا لیکن اصل بات یہ ہے کہ شراب ایسی خبیث چیز ہے کہ اس کا پلید ہونا اس بات کا محتاج نہیں کہ توریث یا انجیل یا کسی دوسرے صحیفہ میں اس کو پلید اور ناپاک لکھا ہو بلکہ اگر فرض کے طور پر کسی کتاب کے شراب کی تعریف کی ہو تو شراب اس سے قابل تعریف نہیں ٹھہرے گی ہاں اس کتاب پر اعتراض آئے گا کہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ہے جس چیز کے عیب اور نقص ہیں تجارب سے کہل گئے ہوں اس میں ہم کسی کتاب کی شہادت کے محتاج نہیں ہیں ہزاروں قسم کی ذہین اور خبیث چیزیں دنیا میں موجود ہیں جن کی مضرتیں تجربہ نے ہم پر کھول دی ہیں۔ پس ضرور نہیں کہ ہم ان چیزوں کو خبیث ٹھہرنے کے لئے آسانی

نہیں کہہ سکتے

۱۱۰

کتاہون کی ورق گردانی کریں ان سب میں سے اول درجہ پر شراب ہے۔ دنیا میں ہزاروں شہادتیں اس کی مضرت اور خباثت پر موجود ہیں ان سب کا لکھنا موجب تطویل ہے اسلئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ عیسائیوں میں سے فقط ایک نامی انسان کی شہادت شراب کے بارے میں بیان کی جائے چنانچہ ہم ذیل میں اس شہادت کے لئے جناب وائیسراے لارڈ کرزن کی پیچ . . . تحریر کی جاتی ہیں اور یہ وہ تقریر ہے جو وائیسراے ممدوح نے بہام سلمہ ۷۔ جون ۱۸۹۷ء کو فوجی ٹمپلرٹس سوسائٹی کے جلسہ پر بیان فرمائی تھی چونکہ اس ایچ کا پڑھنا ناظرین کے لئے دلچسپی سے خالی نہیں اس لئے ہم اس کو بحسنہ نقل کر دیتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

آج میں اس انجمن کی کارروائی اور اس کی ضرورت پر گفتگو کرتا ہوں۔ فوج برطانیہ کے اعتدال یا غیر اعتدال کے جس پہلو کو دیکھو اس نے ضرورتِ غیرت کی کئی منزلیں طے کی ہیں۔ ہمیں ان سپاہیوں کے واقعات یاد ہیں جن کو ساتھ لیکر ڈیوک آف ولنگٹن نے بہت سے میدان مارے تھے ان میں چنانچہ اعتدال یا پرہیزگاری نہ تھی۔ وہ ارنے درجہ کے لوگوں میں سے ہر تکی کئے جاتے تھے اور ان ایام میں عجیب و غریب پہلا ہوا تھا کہ سب زیادہ شرابی سب سے عمدہ لڑنے والا ہوتا ہے اگرچہ بعد کے تمام تجلید نے اس امر کو غلط قرار دیا ہے۔ ڈیوک آف ولنگٹن نے کئی بار اس بات کو بیان کیا تھا اور وہ اپنے سپاہیوں کی بہادری کی عورت کو ان کی بیویوں کی نظرت کے ساتھ پہلو پہلو بیان کرتا تھا۔ لیکن وہ زمانہ اب گیا اور موجودہ زمانہ میں کوئی کھان فہم نہ گویا نہ طے کا جو یہ کہہ کہ بہت شراب پینے والا سپاہی اخلاق طود پر موجبِ ذلت اور جنگی موقع پر خطرناک ہے۔ (شعرہ خوشی) ذرا لارڈ رابرٹ کی رپورٹ جنوبی افریقہ کی جنگ میں سپاہیوں کے متعلق پڑھو وہ انہیں مجبوراً ہی اور خوشی سے بھی شراب سے پرہیز رکھنا پڑا کیونکہ شراب تمہاری نہ تھا اور باوجود اس کے انہوں نے مردانہ اور شیرازہ کارہ و شایانِ کین دکھائی دہی پر لارڈ رابرٹ نے کہا کہ مجھے خطرہ ہے کہ جس اعلیٰ درجہ کے یہ مرد میدان تھے اب ویسے درمیان گئے

کیونکہ وطن میں شراب پینے کے لئے بہت سی ترغیبیں موجود کرتی تھیں پس اب ہم ایک
 ایسے دامن آگے نہیں جس میں ہر ایک اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ پینے پر کھنڈ والا سپاہی
 شرابی سے بہتر ہے اور اوسط درجہ کا شرابی سخت شرابی سے بہتر ہے اور..... بالکل نہیں
 والا سب سے بہتر ہے۔ (غرض خوشی) اس امر سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا لیکن یہاں
 رہیں یہاں بس نہیں کرتی چاہئے۔ یہاں تک تو صرف لفظی باتیں تھیں اب انکو حقیقی امتحان
 پر لگانا چاہئے۔ افلاطون کے امثال کو پڑھ کر خوش ہو لینا اور کہنے ہی میں سمجھ لینا کہ ہم اپنا
 کام کر چکے کچھ فائدہ نہیں رکھتا۔ پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر صرف تقریر کرنا کہ اب ہماری فوج
 جنگ بلکاواہ یا جنگ وائر کے قیام سے بہتر ہے اور اسی کہنے مقصد کا انجام سمجھ لینا کہ مفید
 نہ ہوگا۔ نہ جوگ کے اور نہ کسی اور مقام کے سپاہیوں کے لئے یہ بات مفید ثابت ہوگی کہ ان
 عمرہ خیالات پر خوشی کے غورے مارے جائیں اور بعد میں ان ساری تقریروں کو نہایت
 فیاضی کے ساتھ رجسٹر کے شراب خاد کے غم میں ڈھونڈ دیا جاوے۔ (غرض خوشی) پس
 ہمیں امتحان کی طرف توجہ کرنی چاہئے اور صرف خیالات کے ساتھ یا نقشوں کے ساتھ
 اپنے آپ کو ہکا نہیں دینا چاہئے کیونکہ اگر کوئی بات خیالات سے بڑھ کر غلط ہو سکتی ہو
 تو نقشوں کے ہند سے ہیں۔ پس میں صرف اتنے پر گذشتہ تاریخ کی نسبت اب بہتر حال
 پر نہیں کہہ سکتا کہ اب سب کچھ درست ہے اور زمین مجرموں اور اردیوں کے گروں
 کے نقشوں کا کچھ حوالہ دینا چاہتا ہوں تاکہ ایسا نہ ہو کہ صرف نقشوں کو دیکھ کر خوش ہو جاؤں
 سمجھ لوں کہ مجھے لڑائی جیت لی ہے مجرموں کے نقشے نہ تو کافی ہو سکتے ہیں اور وہ غلطیوں
 سے خالی ہیں اور وہ کمان افسر بے وقوف ہوگا جو صرف نقشوں کی صفائی پر ہوسر کر کے
 یہ کہہ سکے کہ اب شراب بہت نہیں پی جاتی ہیں تسلیم کر لیتا چاہیو اس، انجمن کو بھی چاہئے کہ اس بات
 کو تسلیم کرے کہ اگرچہ شراب کے سبب سے جرم اب کم ہوتا ہے تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ یہ بہت
 زیادہ ہے اور اگرچہ شرابی اور یہاں نظام تھوڑے ہیں تاہم چاہئے کہ اور بھی تھوڑے ہوں
 اور کہ اب بھی رجمنٹوں میں ایک بڑی تعداد ایسے آدمیوں کی موجود ہے جو کہ عادیانہ سخت شرابی

ہیں۔ اگرچہ ان سے کوئی قہر مٹا دینا چاہو اور اگرچہ وہ حد سے باہر نہ ہو گئے ہوں تاہم وہ حد پر پہنچ چکے ہیں۔ اس لئے دن بھر ایک انگریزی قہر کا نقشہ دکھایا گیا جمین یہ کہتا کہ صرف ایک رجمنٹ میں ایک ہسینہ کے اندر (۲۰۸۰) دو ہزار اسی من شراب پیا گیا اور اس رجمنٹ میں بیماروں اور نہ پینے والوں کے سوا کل ۳۸۰ آدمی ہیں اس سے یہ اوسط نکلی کہ ہر ایک آدمی ہر روز تقریباً تین سیر شراب پیتا ہے اور اگر ان میں بعض آدمی تھوڑا پینے والے ہوتے تو ہر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ بہت پینے والے کس کثرت سے پیتے ہوتے اس انجن کو چاہئے کہ اس سے آدمیوں کو اپنے مین ملائے۔ ہمیں صرف یہی نہیں چاہئے کہ ہر کے روکنے کی خاطر سخت شراب غری کو بند کر دیں بلکہ ہمارا یہ منشا ہے کہ ایسی شراب غری کو بھی روکا جائے جس سے جسمانی اور اخلاقی قوی کو نقصان پہنچتا ہے۔ مین یقین کرتا ہوں کہ اگر ہر ایک مکان افسر کو یہ کہا جائے کہ تمہاری حکومت تمہاری رجمنٹ کی پرہیزگاری سے چانچی جائیگی اور شراب خانہ کی رولت ایک خراب کرنل کی نشانی ہوگی تو اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ اور مین تجویزین کمانڈران چیف کے آگے باپ پیش کرتا ہوں۔

اب صرف ایک اور امر باقی ہے جس کی طرف میں اس انجن کو توجہ دلانا چاہتا ہوں اور وہ ایک زیادہ وسیع خیالات کی بات ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم سب کو برٹش تاج کے نائب یعنی وائسرائے ہند سے لیکر ایک معمولی سپاہی تک... کس طرح اپنا رویہ رکھنا چاہئے۔ ہم سب کو چاہئے کہ اپنے وطن کی خاطر ایک نمونہ قائم کریں جو آدمی نیک نمونہ قائم کرتا ہے وہ اپنے فرض کو ادا کرتا ہے۔ لیکن شرابی کیا نمونہ قائم کرے اور کونسا نمونہ قائم کر سکتا ہے وہ جو شراب کی عادت کو پاؤں سے نیچے کچل ڈالنے کی بجائے اس کے آگے گر جاتا ہے وہ کیا نمونہ قائم کرے گا۔ اس موقع پر یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ وہی سپاہی بھی شراب پیتے ہیں کیونکہ ایک گناہ کرنا وہ جس کے واسطے بوجہ معذرت نہیں ہو سکتا۔

اب اس تمام تقریر سے ظاہر ہے کہ جیسا کہ قوم میں شراب نے بڑی بڑی خرابیاں پیدا کی ہیں اور بڑی بڑی محسوسات نہ ہو رہے ہیں آئی ہیں لیکن تمام گناہوں کا منبع اور میسر

یسح کی تعلیم اور اسکے اپنے حالات ہیں۔ جس شخص کے نمونہ کو دیکھ کر پرہیزگاری میں لوگوں نے ترقی کرنا تھا جب کہ وہی خود شراب کا مرتکب ہوا۔ پہران بے جا حرکات میں اور دن کا کیا گناہ ہے اور جس حالت میں سچی لوگ یقیناً جانتے ہیں کہ ہمارا رہبر اور مادی شراب پینے کا شائق تھا بلکہ عشاء رانی۔ اس نے شراب خواری کو دین کی جڑ ٹھہرا دیا تھا تو اس صورت میں کسی دوسرے کی تقریر سے ان پر کیا اثر پڑ سکتا ہے اگر ایسی سپیچوں کے وقت ایک آیت ہی شراب کے حرام ہونے پر پیش ہو سکے میں کے نہ ملنے کا ہر ایک پرہیزگاری کے واسطے کوافس ہو گا تو ان سپیچوں میں سچائی کی روح پھیل جائے اور دن پران کا فوق العادہ اثر ہو لیکن اگر لوگ جو عیسائی کہلاتے اور انجیل شریف پر فدا ہیں جبکہ وہ شراب خوری کی انجیل میں مانع نہیں پاتے بلکہ حضرت یسح کو جس سے وہ پیار کرتے ہیں خود اس کا مرتکب دیکھتے ہیں تو کیونکر وہ شراب سے رک سکتے ہیں انسان بالطبع اپنے مادی اور پیشوا کی پیروی کرتا ہے اور اسکے نمونہ پر چلتا ہے ہر جبکہ یسح نے شراب سے بچنے کا نمونہ نہیں دکھلایا اور اسی وجہ سے اس کو کہاؤ پیو کہا گیا تو کیونکر عیسائیوں کو شراب چھوڑنے کی طاقت مل سکتی ہے اب ہزار کوشش کرو بے فائدہ اور ہزار سی کروا حاصل کیونکہ آپ لوگوں کے پیشوا کی زندگی میں اس قسم کی پرہیزگاری اور مصوبیت نہیں۔ ہم قبول کرتے ہیں کہ عیسائی قوم کی عصمت کو اس خانہ خراب شراب نے قوت غنیمت اور شہویر کے شعل دینے سے بڑا نقصان پہنچایا ہے لیکن ہم قبول نہیں کر سکتے کہ عیسائیت کے دائرہ میں وہ کبر ایک طبیعت اور فطرت کا مادی شراب ہو کمال پرہیز کر سکتا ہے الا غار و ناد و مجرم کے حکم میں ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہنا پڑتا ہے کہ شراب کی اباحت نے انجیل کی تمام اخلاقی تعلیم کو بیکار کر دیا ہے مثلاً یہ سچ ہے کہ یہ فقرہ اپنی ظاہری صورت میں بہت عمدہ ہے کہ شرکاء مقابلہ کر اور اگر کوئی شخص تیری دامن نکال پڑتا ہے مار سے تو تو دوسری ہی پہرے سے۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ ایک شراب خوار آدمی اس حکم کا پابند رہ سکتا ہے؟ کیا وہ ایک دانت نکالنے سے غصہ میں اگر چار دانت نہیں نکال دے گا؟ ایسا ہی انجیل کا یہ فقرہ کہ جو شخص بیکار نہ عورت کو شہوت کی

شراب کی طاقت کا انجیل اخلاقی تعلیم کو بیکار کر دیا ہے

نظر سے دیکھتا ہے وہ دل میں اس سے زنا کر چکا۔ یہ دیکھنے میں تو اچھا ہے لیکن عقلمندوں میں سے کون ہے جو اس بات کو قبول کرے کہ ایک نئے خوار آدمی جیب نشے سے بدست ہو اور شہوت غالب اور نفس طالب ہو تو وہ ایسی حالت میں اپنی نظر پاک رکھ سکتا ہے نہیں بلکہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ نہ صرف صلح سے بدکاری میں مبتلا ہوگا بلکہ چونکہ وہ شراب سے اندازے ہذا ذہنا بالبحر کا بھی مرتکب ہوگا۔ ایسی تعلیم جس نے گناہ سے تو منع کیا ہے لیکن گناہ کے جو اصل وجوہات ہیں ان کے بڑے چوڑے دروازے کھول دئے ہیں وہ حقیقی نیکی پر قائم نہیں کر سکتی۔

اس بار میں قرآن کریم کی تعلیم

اس کے مقابل پر قرآن شریف نے ایک طرف تو شراب کی مذمتیں بیان کر کے اور پرہیزگاری کی دشمنی ٹھہرا کر قطعی طور پر اس کو حرام کر دیا ہے اور پھر دوسری طرف آنکھ اور دل کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ بھی تعلیم دی ہے کہ ایک بیوی کو یا دو یا تین یا چار لیکن حرام کار سے اپنے تئیں بچاؤ کیونکہ جو شخص اپنے تئیں پاک رکھنے کے لئے چند بیویوں سے منحل کرنا ہے وہ اس سے اچھی حالت میں ہے جو ایک بیوی رکھتا ہے مگر اس سے موافقت نہیں رکھتا اور حرام کاری میں پڑتا یا ہمیشہ اپنی نظر پاک رکھتا ہے۔ جو شخص شراب نہیں پیتا اور پہ چھ روزہ محو کر کے ایک بیوی کے بیمار ہونے کی حالت میں یا کسی اور وجہ سے ناقابل اور موجب نفرت ہونے کی حالت میں دوسری بیوی نکاح میں لانا ہے اور دونوں کے حقوق کی رعایت رکھتا ہے وہ سچا پرہیزگار ہو کر فرشتوں کی طرح زمین پر چلتا ہے اس کا یہی ثبوت کافی ہے کہ اس قسم کے لوگ کثرت کے ساتھ پرہیزگار پاؤں گے۔ میرے نزدیک اس شخص سے بڑیکہ کوئی خطرناک حالت میں نہیں ہے جو ایک طرف تو شراب پیتا ہے جو شہوتوں کو ابھارتی اور جوش دیتی ہے اور دوسری طرف اس کی کوئی بیوی نہیں ہے جس سے وہ اُن متحرک شدہ شہوتوں کو عمل پرستمال کر سکے۔

اسی وجہ سے میں اپنے سچے دل سے اپنے سید و مولے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بمقابل حضرت مسیح کے بہت پیار سے دیکھتا ہوں اور مصونیت کے لئے اور اکمل مقام پر پانا ہوں کیونکہ محسن حقیقی نے جو پرہیزگاری کے اسباب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے وہ حضرت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم

مسیح کو عطا نہیں کئے ہیں۔ میں شریر انسانوں کی طرح خواہ مخواہ کی رعایت نہیں کرتا اور نہ کسی
 خدا کے مقدس اور راستہ باز پر یہودہ حملہ کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن میں نے خوب غور کر کے دیکھا
 ہے اور جہاں تک فکر کام دے سکتا ہے خوب سوچا ہے۔ میرے نزدیک جبکہ مسیح شراب سے
 پرہیز رکھنے والا نہیں تھا اور کوئی اسکی بیوی بھی نہیں تھی تو گو میں مانتا ہوں کہ خدا نے اس کو
 یہی برے کاموں سے بچایا۔ لیکن میں کیا کروں میرا تجربہ اس بات کو نہیں مانتا کہ وہ عصمت میں
 ایسا کامل ہو سکے جیسا کہ وہ دوسرے شخص کہ جو نہ شراب پیتا ہے اور نہ حلال وجہ کی عورتوں سے
 اسکو کچھ کی ہے گو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مسیح کا یہ بھی ایک معجزہ تھا کہ باوجود شراب پیو اور باوجود
 کسی بیوی کے نہ ہونے کے پہر ہی وہ پرہیزگاری پرتا تھا۔ لیکن جب میں دیکھتا ہوں کہ
 شریر دشمنوں نے اپنی واقعات کو مد نظر رکھ کر مسیح پر یہ الزام لگائے ہیں کہ کیوں اس نے مریم
 نام ایک کنجری کو بیہ موقع دیا کہ اس نے اس کو چھوا اور اس کے سر پر اپنے ماتھوں سے تیل ملا اور
 پیروں کو اپنی بالوں سے پونچھا اور کیوں اس نے ایک دوسری عورت کو جو فاحشہ کے مشہور
 تھی جسکا نام بھی مریم تھا ہمیشہ اپنے پاس رہنے دیا۔ تو مجھے خیال آتا ہے کہ کاش ایسے معجزہ
 سے مسیح اپنے تئیں بچاتا تو اچھا ہوتا۔ مسیح کا یہ فرض تھا کہ اسی عورتوں کو جو حرم کار یوں میں شہرت
 پا چکی تھیں اپنے پاس سے دفع کر کے حاریوں میں ایک نیا نمونہ قائم کیا۔ اب تو میں
 کہہ رہی ہوں تو اعتراض ہے کہ اس نے ایک فرض کے ادا کرنے میں اسی وجہ سے کمزوری دکھلائی
 کہ وہ شراب کا عادی اور لغو ذمہ اسکے شہوت انگیز جذبات میں گرفتار تھا۔ ایسا اعتراض
 کرنے والے صرف یہودی ہی نہیں بلکہ وہ بھی ہیں جو عیسائی قوم میں سے ہیں اور نہایت بیتی
 سے ایسے اعتراض مسیح کے چال چلن پر کر کے پھر ان رسالوں کو نہ صرف لندن کے بازاروں
 میں تقسیم کرتے بلکہ ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں بھی شائع کرتے ہیں۔

میں دیکھتا ہوں کہ اب آئیس سو برس کے بعد عیسائی صاحبوں کو محسوس ہوا ہے کہ شراب
 پینا ایسا گناہ ہے جو اخلاق کو بگاڑتا اور پرہیزگاری کا ستیاناس کرتا ہے اور ان کے جٹلمیں اس
 کوشش میں ہیں کہ اس بدعت کا اپنی قوم میں سے ہستی خال کریں۔ لیکن میرے خیال میں

یہودیوں کا شراب پینا
 مسیح کے زمانہ کی تعلیم

ایسی کوشش کرنا جس سے آگے قدم رکھنا ہے یا ایک نئی انجیل بنانا۔ چین و کیتھامون کہ وہ سبق جو زمانہ و راز کی شراب خواری نے عیسائی صاحبوں کو دیا ہے اور وہ مشکلات جو ان کو پیش آئی ہیں وہ قرآن شریف کی تعلیم کی طرف ان کو پہنچ رہی ہیں۔ مجھے اس سے تعجب آتا ہے کہ جو شراب خواری کا خوفناک نقشہ لارڈ کرزن نے اپنی پیسچ میں کینچا ہے وہی نقشہ نہایت موثر الفاظ میں قرآن شریف میں ہم پاتے ہیں لیکن فرق اتنا ہے کہ قرآنی نقشہ تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے سکھایا اور اس پیسچ کا نقشہ لارڈ کرزن کو زمانہ نے اور خرابیوں کے مشاہدہ نے بتایا۔ لارڈ کرزن نہایت مدبر اور اصلاح کے کاموں میں سرگرم معلوم ہوتے ہیں اور انکی پیسچ میں گورنمنٹ اور قوم کی ہمدردی کی روح موجود ہے اگر ان کے لئے ممکن ہوتا تو وہ ایسی موثر پیسچ میں ضرور کوئی انجیل کی آیت بھی یاد دلاتے اور اگر یہ پیسچ کسی افسر مسلمان کی طرف سے ہوتی تو وہ پرزور قرآنی آیات سے دکھاتا کہ کس قدر خدا شراب پینے والوں پر ناراض ہے۔ بہر حال غنیمت ہے کہ ایسے بیدار مغز اعلیٰ افسر گورنمنٹ اور رعایا کے غیر خواہئے تسلیم کر لیا ہے کہ درحقیقت شراب مجرمانہ محرکات کی موجب ہوتی ہے اور اخلاقی اور روحانی قوسے پر بہت برا اثر ڈالتی ہے۔ پس اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اخلاقی تعلیم بے فائدہ ہے جس میں شراب کی ممانعت نہیں۔ شراب خوردن کو عفو اور درگزر کی تعلیم کرنا اور شہوت کی نظر سے روکنا اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ جیسے ہم ایک شخص کو ایک دوا سے بیہوش کر دیں اور پھر اس سے ہوشمندوں کے کام لینا چاہیں۔ نبی کے لئے اہم امر یہ ہوتا ہے کہ وہ گناہوں کے اصل اسباب اور موجبات معلوم کر کے ان کے دور کرنے کے لئے کوشش کرے اور جب وہ دور ہو جائیں گے۔ تو خود گناہ کا سیلاب رک جائے گا۔ سو قرآن اور انجیل میں یہ فرق ہے کہ انجیل نے تو گنہ کے علل اور اسباب سے نظر اندازی کر کے محض چند اخلاقی فقرہوں کے بولنے سے لوگوں کو خوش کرنا چاہا ہے اور قرآن نے حکیم حاذق اور سچے ہمدرد کی طرح ان علل اور اسباب اور موجبات کو درمیان سے اٹھانا چاہا ہے جو اخلاقی خجاست کو پیدا کرتے ہیں۔ پس اس جگہ ان لوگوں کو غور کرنا چاہئے جو خواہئے خواہئے انجیلی تعلیم

کہانہ کے علل و اسباب اور ان کے دور کرنے کے لئے کوشش کرنا

پر فخر کرتے اور اخلاقی خزانہ کی اس کو گنتی سمجھتے ہیں۔ ہم صحیح صحیح کہتے ہیں کہ انجیلی تعلیم نے
 شراب کو حلال اور مباح کر کے اخلاقی حالات کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ رجم۔ انصاف
 راستبازی۔ پرہیزگاری۔ جو کچھ عمدہ صفتیں ہیں ان سب کی شراب دشمنی ہے۔ پرہیز
 تک ایک گھر میں دشمن موجود ہے کیونکہ توقع ہو سکتی ہے کہ اس گھر والے اس دشمن کے
 حملے سے بچ سکیں۔

Digitized by Khilafat Library

(بالوالہ)

ریویو آف ریلیجنز 1902ء کے مارچ کے بعد اور اپریل سے پہلے
119 سے 126 تک pages نہیں ملے۔